گرہست جیون

عورت مرد کے جسمانی تعلقات

مصنف

مہاتما گاندھی

CyberLibrary.Net
reserved.
©2002-2006

فہرست

	مہاتما گاندھی	04
پہلا باب	ابتدائی کلمات	05
دوسرا باب	کنواروں میں بدچلنی	10
تیسرا باب	شادی شدگان میں بدچلنی	14
چوتھا باب	ضبط اور کنوارہ پن	24
پانچواں باب	شخصی آزادی	34
چھٹا باب	تا حیات تجرد	40
ساتواں باب	شادی کا پاکیزہ مقصد	46
آٹھواں باب	تتمہ	50
نواں باب	ارتقائے نسل کی روک تھام	57
دسواں باب	ضبط یا آزادی	60
گیارھواں باب	مجرد پن	71
بارھواں باب	سچائی اور مجرد پن	75
تیرھواں باب	منی کی حفاظت	81
چودھواں باب	تنہائی میں بات چیت	87
پندرھواں باب	خفیہ راز	94
سولھواں باب	کنوارہ پن	106

سترہواں باب	مکمل مجردین	112
اٹھارہواں باب	خیالات کا اثر	119
انیسواں باب	مذہبی دقت	128
بیسواں باب	پیدائش در پیدائش	134
اکیسواں باب	شخصی اصول مباشرت	149
بائیسواں باب	مجلسی اصول مباشرت	156
تتمہ		159

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

مہاتما گاندھی

مہاتما گاندھی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔وہ نہ صرف جنوبی ایشیا کے عظیم راہنما تھے۔بلکہ عالمی سیاست میں بھی ان کا اپنا ایک مقام ہے۔ بین الاقوامی شخصیت کی حیثیت سے انہوں نے گھریلو زندگی پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔اور مرد وعورت کے تعلقات پر بحث کی ہے۔گاندھی جی کی یہ کتاب اس وجہ سے بھی خاصی اہمیت کی حامل ہے۔کہ اس میں مشرقی مزاج کی عکاسی کی گئی ہے۔ ایشیا اور افریقہ میں اس موضوع پر کسی بڑی شخصیت نے اتنے واضح الفاظ میں آج تک بات نہیں کی کہ جتنی وضاحت سے گاندھی جی نے کی ہے۔گاندھی جی جنسی تعلقات کے مخالف نہیں تھے۔لیکن وہ جنسی بے راہ روی کے سخت خلاف تھے۔خواہ وہ بے راہ روی ازدواجی زندگی کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔"گرہست جیون" عرصے سے قارئین کی مانگ رہی ہے۔اس کے مطالعے سے گھریلو زندگی کے بہت سے مسائل حل کرنے میں مدد ملے گی۔

سعود الحسن خان

پہلا باب

ابتدائی کلمات

''مانع حمل کے غیر قدرتی ذرائع پر ملکی اخبارات جو تبصرے کرتے ہیں میرے دوست ان کے تراشے میرے پاس بھیجتے رہتے ہیں۔ زمانہ حال کے نوجوانوں سے ان کے چال و اطوار کے متعلق اکثر میری خط و کتابت ہوتی رہتی ہے۔ اس خط و کتابت میں جو قابل حل مسائل میرے سامنے سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس چھوٹی سی کتاب میں ان کا حل پیش نہیں کرسکتا۔ میں صرف چند ایک امور کے بارے میں ذکر کروں گا۔''

میرے امریکی دوست بھی میرے پاس اسی موضوع پر مواد بھیجتے رہتے ہیں اور ان میں سے بعض مجھ سے اس وجہ سے ناراض بھی ہیں کہ میں کثرت اولاد کے دفعیہ غیر قدرتی ذرائع کی مخالفت کرتا ہوں ان کا خیال ہے کہ میں مشہور و معروف اور مستند لیڈر ہوتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے کہ دنیا کے تقریباً تمام ہی ممالک کی خاص خاص ہستیاں اس پہلو میں مجھ سے متفق نہیں۔ پھر بھی میں اس زمانے میں قدامت پسندانہ خیالات رکھتا ہوں۔

اس امر پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مانع حمل کے غیر قدرتی طریقوں کی تائید میں مجھے خاص وجوہات پر غور رنا چاہیے جن کی وجہ سے دنیا

کے مختلف ممالک کی برگزیدہ لوگ اس بارے میں اتفاق رائے رکھتے ہیں۔

میں اس مسئلہ پر غور کر رہا تھا اور اس کے متعلق ضروری مواد بہم پہنچانے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے ایک انگریزی کتاب جس کا نام ''اخلاقی دیوالہ'' تھا اس کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا جس میں سائنسی طور پر اس مسئلہ پر مدلل بحث کی گئی تھی۔ یہ کتاب فرانسیسی زبان میں ترجمہ کی گئی تھی جس کے مصنف ''مسٹری پال بیورو'' تھے اور اس کے فرانسیسی عنوان کا مفہوم جس میں کہ وہ پہلی دفعہ شائع ہوئی تھی بھرشٹا چار یعنی ''بدمعاشی'' تھا۔

کتاب کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا اور میں نے سوچا کہ اس پر رائے نی کرنے سے پہلے مجھے ان تمام کتب کا مطالعہ کر لینا چاہیے جن پر خصوصیت سے اس مضمون پر تائیدی بحث کی ہے۔ اس لیے میں نے مسرونٹ آف انڈیا سوسائٹی سے اس کے متعلق تمام لٹریچر جو مل سکا منگوا کر اس کا مطالعہ کیا۔ کا کا کالیلکر نے جو اس مضمون کا محققانہ طور پر مطالعہ کرر ہے ہیں مجھے ایک کتاب دی اور ایک دوست نے رسالہ پریکٹیشنر The Pracitioner کا ایک خاص نمبر میرے پاس بھیجا جس میں مشہور معروف ڈاکٹر نے اس پہلو میں اپنی اپنی آزاد رائے کا اظہار کیا تھا۔

اس موضوع کا مواد فراہم کرنے سے میرا مدعا یہ تھا کہ میں علم طب سے بے بہرہ شخص حتی الوسع بیورو کے اصولوں کی تحقیقات کرسکوں کیونکہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک ہی مضمون کے دو ماہر جب اس کے کسی خاص پہلو پر بحث کرر ہے ہوں تو

ان میں بھی اختلاف رائے ہو جاتا ہے کیونکہ ایک ہی بات کے دو مختلف پہلو ہوتے ہیں اور دونوں پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اس لیے میں ناظرین کے سامنے بیورو کی یہ کتاب پیش کرنے سے پہلے ان غیر قدرتی اصولوں کے پیرووں کے تمام دلائل سننا چاہتا تھا چنانچہ کافی غور و فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ کم از کم ہندوستان کے لیے ان خلاف فطری ذرائع کی ہرگز ضرورت نہیں ہے اور جو لوگ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں انہیں یا تو ملک کی حقیقی حالت کا احساس نہیں یا وہ دیدہ دانستہ اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ملک کو بدچلنی کی غار میں گرنے سے بچایا جائے اور اگر یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ نسل کشی کے غیر قدرتی ذرائع مغربی ممالک کے لیے بھی نقصان دہ ہیں تو پھر ہندوستان کے متعلق غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

آیئے دیکھیں کہ بیورو کن اصولوں کا قائل ہے جس کی کتاب کو انگریزوں نے بھی اپنی زبان میں ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس کی مگر انہوں نے فرانس کے حالات کے مطابق ہی اس کو لکھا ہے لیکن پھر بھی وہ ہماری مطلب براری کے لیے کافی ہے۔

فرانس دنیا کے مہذب ممالک میں ایک چوٹی کا ملک ہے جب وہاں ہی یہ ذرائع کامیاب نہ ہو سکے تو پھر دیگر ممالک میں کیسے مفید ثابت ہو سکتے ہیں اور بیچارے ہندوستان کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

''ناکامیابی'' کیا ہے۔ اس کے مختلف مفہوم لیے جا سکتے ہیں اس لیے یہ ضروری ہے کہ میں اپنے نکتہ نگاہ کے مطابق اس لفظ کی تشریح کر دوں۔ اگر یہ بات ثابت کر

دی جائے کہ ان غیر قدرتی ذرائع سے لوگ اصولاً بد چلن ہو گئے۔ وہ نفسانی جذبات کے غلام بن گئے اور قیام حمل کی روک تھام محض اپنی صحت کو قائم رکھنے اور مالی پیچیدگیوں کے حل کی غرض سے نہیں کی گئی بلکہ جذبات شہوانی کی سیری کے لیے ہی کی گئی ہے تو ان غیر قدرتی ذرائع کو صریحاً ناکامیابی کہا جائے گا۔ لیکن یہ ان اوسط درجہ کے لوگوں کے خیالات ہیں جو اس مضمون کی تائید یا تردید میں کچھ نہیں کہنا چاہتے۔

اگر زندگی کے اعلیٰ معیار کو لیا جائے تو جماع کے ارتکاب کے ساتھ مانع حمل کا رخنہ ڈالنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق جماع تو محض قیام نسل کے غرض سے ہی کیا جانا چاہیے جیسا کہ خوراک صرف صحت جسمانی کو قائم رکھنے کے لیے کھائی جاتی ہے ایک تیسرے طبقے کے لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ:

> ''جماع کے ساتھ اصول کی حد بندی کرنا بھی بے معنی ہی ہے۔
> اگر اعتدال شہوت کوئی چیز ہے تو اس کا مطلب جماع میں اعتدال رکھنا نہیں ہے۔ بلکہ اس کی سیری ہی اس کا مطلب ہے۔''

خوب جماع کرو یہی زندگی کا منتہائے مقصود ہے لیکن اتنی احتیاط لازمی ہے کہ اس کی کثرت سے جسمانی صحت اتنی نہ بگڑ جائے جن سے مباشرت کی سیری سے جی اچاٹ ہونے لگے۔ اور پھر انسان لطف اندوزی نہ ہو سکے۔

میرے خیال میں ایسے لوگوں کے لیے بیورو نے اپنی کتاب لکھنے کی تکلیف نہیں

کی ہے کیونکہ اپنی کتاب کے آخر میں انہوں نے ''ٹوئین'' کے یہ الفاظ لکھے ہیں:

''صرف نیک چلن اقوام ہی شاندار مستقبل رکھتی ہیں''

اس کتاب کے پہلے باب میں بیورو نے چند ایسی صداقتیں پیش کی ہیں جن کو پڑھ کر ہماری روح کانپ اٹھتی ہے فرانس میں ایسی بڑی سوسائٹیاں قائم ہیں جن کا واحد مقصد محض انسانوں کے حیوانی جذبات کی سیری کرنا ہی ہے۔ سب سے بڑا دعویٰ جو مانع حمل کے ذرائع کے حامیوں کا ہے، وہ یہ ہے کہ اس سے درپردہ اسقاط حمل کے گناہ کبیرہ سے انسان بچ جاتا ہے لیکن ان کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ بیورو لکھتا ہے کہ آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ فرانس میں حالانکہ گزشتہ پچیس سالوں سے مانع حمل کے کیس بڑھ رہے ہیں لیکن ذرا سا غور کرنے کے بعد آپ اس کا سبب معلوم کرسکتے ہیں۔

وہاں تخمیناً ہر سال دو لاکھ پچھتر ہزار سے لے کر پچیس ہزار تک اسقاط حمل کے کیس ہو جاتے ہیں یہ کتنا افسوس کا مقام ہے لیکن اس سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ایسی باتیں سن کر اب لوگوں کو اتنا دکھ نہیں ہوتا جتنا پہلے ہوا کرتا تھا یہ گراوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسرا باب

کنواروں میں بدچلنی

بیورو کہتا ہے کہ اسقاط حمل کی وجہ سے بچہ کشی اور خاندانوں کے اندر ہی عیاشی اور مختلف قسم کی بدچلنیاں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ جن کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اگر چہ کنواری لڑکیوں کے اسقاط حمل کو روکنے اور حمل گرانے کے لیے کئی قسم کی سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں لیکن پھر بھی ان سے بچہ کشی کا پاپ کم نہیں ہوا بلکہ بڑھ گیا ہے حتیٰ کہ اب ایسی باتیں سن کر مہذب طبقے کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اور عدالتوں سے دھڑا دھڑ عیاش بری ہو رہے ہیں بچہ کشی کی ملزمہ عورتوں کو کچھ بھی سزا نہیں دی جاتی۔

بیورو نے اپنی کتاب میں ایک باب محض بدچلنی کا پرچار کرنے والے مواد کے متعلق ہی لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ناٹک، عشقیہ ناول اور دلاویز تصاویر سے جو مہذب طبقے کے دل بہلاوے کے لیے ہوتی ہیں گندے طبقے کے لوگ نہایت ہی ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں ہر جگہ ایسا لٹریچر بک رہا ہے ہر کونے میں اسی کا چرچا ہو رہا ہے۔ بڑے بڑے عقلمند آدمی ایسے ہی لٹریچر کی تجارت کرتے ہیں۔ اور کروڑوں روپیہ اس گندی تجارت میں لگاتے ہیں انسان کے دل پر اس گندے لٹریچر کا اتنا زہر آلودہ اثر ہوتا ہے کہ اس کے دل میں شہوت پرست کی ایک نئی دنیا آباد ہوگئی ہے ہم بیورو کا یہ رونگٹے کھڑے کرنے والا اقتباس نذر ناظرین کرتے ہیں۔

اس گندے مواد سے بیشمار لوگوں کو لامحدود نقصان پہنچ رہا ہے اس کی کثیر فروخت سے پتہ لگتا ہے کہ کروڑوں آدمی اس کو پڑھتے ہیں۔ پاگل خانہ کے باہر بھی کروڑوں پاگل رہتے ہیں جس طرح پاگل اپنی ایک نرالی ہی دنیا آباد کر لیتے ہیں اسی طرح اخبارات اور کتب کے ناجائز استعمال کے اس زمانے میں ان کا مطالعہ کرتے وقت انسان بھی ایک نئی دنیا میں رہتا ہے۔ اور اس دنیا کی تمام ذمہ داریوں کو بھول جاتا ہے گندہ لٹریچر پڑھنے والے اپنے گم کردہ خیالات کے دشت خار دار میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

ان تمام بدنتائج کا سبب کیا ہے۔ ان سب کی تہہ میں لوگوں کی یہی غلطی کام کر رہی ہے کہ شہوت پرستی کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ اور اس کے بغیر انسان اپنی ہستی کا دنیا میں خاطر خواہ مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ ایسا خیال دل میں آتے ہی انسان کے خیالات میں لغزش آ جاتی ہے اور جس کام کو اب تک وہ برائی سمجھتا تھا اب اسے بھلائی سمجھنے لگتا ہے اور اپنی حیوانی خواہشات کی سیری کے لیے نئے نئے طریقے ڈھونڈنے لگتا ہے۔

آگے چل کر کئی بابوں میں مشہور فلاسفروں اور نظموں وغیرہ کے حوالہ جات سے بیورو یہ ثابت کرتا ہے کہ آجکل روزانہ اخبارات، رسالہ جات، کتب، ناولوں اور تصاویر وغیرہ کی تشہیر سے دن بدن لوگوں کی یہ ہوش بڑھتی جا رہی ہے۔

لیکن ابھی تک بیورو نے صرف کنوارے آدمیوں کی قابل رحم حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ آگے چل کر وہ شادی شدہ طبقے کی بدچلنی کا بھی نقشہ کھینچے گا وہ کہتا ہے کہ ”

امیروں، کسانوں اور اوسط طبقہ کے لوگوں میں شادیاں یا تو چھوٹی عزت یا روپیہ کے لالچ کی وجہ سے ہوتی ہیں کوئی اچھی ملازمت، جائیداد، پرانی بدچلنی کو پالیسی سے چھپانا، شہوت پرستی سے پیدا شدہ اولاد کو قانوناً وارث بنانا اور بڑھاپے یا بیماری کے وقت سکھ کی تلاش کرنا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے مختلف مدعا کو مدنظر رکھ کر شادیاں کی جاتی ہیں اکثر اوقات بدچلنی سے تھک کر انسان مستقل طور پر شہوت پرستی کے لیے بھی شادی کر لیتا ہے۔''

آگے چل کر بیورو سچے حوالے دے کر یہ ثابت کرتا ہے کہ اس قسم کی شادیوں سے بدچلنی بجائے کم ہونے کے اور بڑھتی ہے اس موقعہ پر وہ تمام غیر قدرتی ذرائع اور بھی مددگار ثابت ہوتے ہیں جو بدچلنی کو نہیں روک سکتے۔ بلکہ اس کے بدنتائج کو روک دیتے ہیں میں اس دکھ دائی حصہ کو چھوڑ دیتا ہوں جس میں بتایا گیا ہے کہ گزشتہ بیس سال کے اندر عصمت دری کے واقعات میں کتنی ترقی ہوگئی ہے اور عدالتوں کے ذریعے منظور کردہ طلاقوں کی تعداد دوچند ہوگئی ہے۔

''انسانوں کے برابر ہی عورتوں کے حقوق بھی ہونے چاہئیں۔''

اس اصول کی رو سے عورتوں کو بدچلنی کرنے کی جو آزادی دی گئی ہے اس کے متعلق بھی میں صرف چند ایک لفظ کہوں گا۔ اسقاط کرانے کے حق میں جو سہولت حاصل ہو چکی ہے۔ اس سے عورت یا مرد کسی کے لیے بھی اصول خانہ داری کی پابندی کی ضرورت نہیں رہی۔ ایسی صورت میں اگر لوگ شادی کے نام پر تمسخر اڑائیں تو تعجب ہی کیا ہے؟ ایک مشہور عالم مصنف کے یہ الفاظ بیورو نے اپنی کتاب میں نوٹ کیے ہیں۔

''میرے خیال میں شادی ایک نہایت تکلیف دہ حیوانی رسم ہے
جو تو میں عقل اور انصاف کی طرف قدم بڑھائیں گی اس بد رسم کو ٹھکرا کر
چکنا چور کر ڈالیں گی لیکن انسان اتنے بدھو اور عورتیں اتنی بزدل ہیں کہ
وہ اعلیٰ مقصود کے لیے کچھ کر ہی نہیں سکتیں۔''

بیورو اب ان بد چلنیوں کے نتائج اور ان اصولوں پر جن کے ذریعے ان بد چلنیوں کو مدد ملتی ہے خوب غور وخوض کر کے رائے دیتا ہے۔

پھر بیورو یہ ظاہر کرتا ہے اور اس کی تائید میں مثالیں بھی پیش کرتا ہے کہ اب تک ان باتوں سے انسانی سوسائٹی کو بے حد نقصان پہنچا ہے یہ بد چلنی تو ہمارے تار حیات کو ہی کاٹ رہی ہے۔

''یہ بد چلنی ہمیں ایک نئی طرف کھینچے لیے جا رہی ہے وہ کونسی طرف
ہے؟ وہاں کیا ہے؟ ہمارا مستقبل ادھر جانے سے تاریک ہو گا یا روشن؟
ترقی ہو گی یا تنزل؟ ہماری روح حسن سے مجلی ہو جائے گی یا زنگ
تاریکی سے سیاہ رو؟''

یہاں تو انقلاب بپا ہے۔ کیا یہ وہی انقلاب ہے جو وقتاً فوقتاً اور ملک واقوام کے بر سر۔۔۔۔اقبال آنے سے پہلے مچا کرتا ہے۔ کیا یہ وہی انقلاب ہے جو آدم کے دل میں پیدا ہوا تھا اور جو ہمیں اپنی زندگی کے روشن اور قیمتی اصولوں کی خلاف ورزی کے لیے ابھارتا ہے؟ کیا اس سے ہم اپنی حالت اور زندگی کو ہی خطرے میں نہیں ڈال رہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆

تیسرا باب

شادی شدگان میں بدچلنی

شادی شدہ مرد عورتوں کا مجرد رہ کر مانع حمل کی کوشش کرنا تو ایک علیحدہ بات ہے لیکن شہوت پرستی کے ساتھ اور غیر قدرتی ذرائع استعمال کر کے نسل انسانی کو بڑھنے سے روکنا بالکل علیحدہ بات ہے۔ پہلی حالت میں انسان کو ہر صورت میں نفع ہی نفع ہے مگر دوسری صورت میں سوائے نقصان کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ بیورو نے مختلف اعداد و شمار کر کے نقشہ جات کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ حیوانی جذبات کی لگان ڈھیلی چھوڑنے اور مباشرت کے قدرتی نتائج سے بچنے کی غرض سے غیر قدرتی ذرائع کے استعمال کرنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ صرف پیرس میں ہی نہیں بلکہ تمام فرانس میں بچوں کی پیدائش کی نسبت اموات کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ اٹھاسی اضلاع میں سے کہ جن میں فرانس منقسم ہے اڑسٹھ میں پیدائش کی اوسط موت کی اوسط سے کم ہے اور وہاں اگر سو بچے پیدا ہوتے ہیں تو 168 مر جاتے ہیں اس کے بعد تانگرہ نامی ایک ضلع میں اگر سو بچے پیدا ہوتے ہیں تو 156 کی اموات واقع ہو جاتی ہیں ان 19 اضلاع میں جن میں کہیں کہیں اتفاق سے جتنے مرتے ہیں اتنے ہی پیدا ہو جاتے ہیں لیکن یہ زیادتی بھی برائے نام ہی ہے۔ ایسے صرف دس ہی ضلعے ہیں جہاں اموات و ممات کی تعداد میں نمایاں فرق ہے یعنی جہاں اموات 72 فیصدی ہوتی

ہیں۔ موربھان اور پاس ڈ نکیلے کے دو ضلعوں میں صرف ایسی حالت ہے جہاں کسی خاص وجہ سے تعداد اموات 28 فیصدی کم ہے۔ بیورو ثابت کرتا ہے کہ آبادی کی تنزلی کا یہ سلسلہ جس کو ان کی اصطلاح میں روحانی موت کہا جاسکتا ہے اب تک روکا نہیں جاسکا۔

اس کے بعد بیورو فرانس کے مختلف صوبوں کے ہر ایک پہلو پر نکتہ چینی کرتا ہے اور 1914ء میں تصنیف شدہ ایک کتاب سے نازمینڈی کے بارے میں مندرجہ ذیل اقتباس درج کرتا ہے۔

''نازمینڈی کی آبادی گزشتہ پچاس سال میں تین لاکھ کم ہوگئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کی اتنی آبادی کم ہوگئی جتنی تمام آرن ضلع کی ہے ہر بیس سال کے بعد فرانس کی آبادی میں اتنی کمی آجاتی ہے جتنی کہ اس کے ایک صوبے کی ہوتی ہے اور چونکہ اس میں صرف پانچ ہی صوبے ہیں اس لیے سو برس میں تو اس کے ہرے بھرے کھیت فرانس کے باشندوں سے خالی ہوجائیں گے۔''

''فرانس کے باشندے'' لفظ کا استعمال یہاں میں جان بوجھ کر رہا ہوں کیونکہ دوسرے لوگ ضرور ہی اس میں آکر بس جائیں گے اور اگر ایسا ہوا تو وہ حالت نہایت ہی افسوس ناک ہوجائے گی۔ جرمن لوگ کینن کے آس پاس والی لوہے کی کانیں چلا رہے ہیں اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے چین کے مزدور بھی (ان کا یہ پہلا ہی موقع ہے) اس مقام پر آپہنچتے ہیں۔ جہاں سے کہ فاتح ولیم نے انگلینڈ فتح

کرنے کا عزم کیا تھا۔

بیورو نے اس فقرے کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دوسرے کئی صوبوں کی حالت بھی، اس سے کچھ اچھی نہیں ہے۔ آگے چل کر وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ مردم شماری کی اس کمی کا یہ اثر ہوا ہے کہ ملک کی قومی طاقت بھی زائل ہوگئی ہے۔ اس کے بعد وہ فرانس کی مختلف قوموں کی بنیاد کے نکاس، ان کی زبان اور تہذیب کے اختلاف کا بھی یہی سبب بتاتا ہے۔

اس کے بعد وہ سوال کرتا ہے کہ کیا مباشرت سے، ہوس کی لگام ڈھیلی چھوڑنے سے، فرانسیسی لوگ دنیاوی سکھ، مالی حالت، جسمانی صحت اور تہذیب میں پہلے سے کچھ بڑھ گئے ہیں؟ اس کے جواب میں وہ کہتا ہے کہ جسمانی صحت کے بارے میں دو چار الفاظ کہنے ہی کافی ہوں گے۔ مختلف دلائل کے ذریعے اس سوال کا جواب دینے کی ہم خواہ کتنی ہی کوشش کریں لیکن ہم اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ شتر بے مہار شہوت کا ساتھ دینے سے ہم اپنی جسمانی صحت کو ترقی دے سکتے ہیں ہم اس سوال کے جواب دینے کی قابلیت ہی نہیں رکھتے۔ ہر طرف سے کیا نوجوانوں اور کیا بزرگوں سب ہی کی کمزوری کا عام شہرہ ہے۔ لڑائی سے پہلے محکمہ فوج کے افسران کو اکثر اوقات رنگروٹوں کے لیے جسمانی صحت کی قابلیت کی شرائط کو ڈھیلا کرنا پڑا تھا۔ اور تمام فرانس میں لوگوں کی قوت برداشت میں کمی ہوگئی ہے اب یہ کہنا بے شک نا انصافی ہوگی کہ شہوت کی بے اعتدالی نے ہی بری حالت پیدا کی ہے۔ لیکن ہاں یہ بھی اس کا ایک ضروری سبب ہے اس کے علاوہ مے نوشی گندی رہائش وغیرہ کا بھی تو

صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ بلکہ اگر ہم بغور سوچیں گے تو یہ بات ہماری سمجھ میں با آسانی آ جائے گی کہ بدچلنی اوراس کی پرورش کرنے والی نفرت آمیز خواہشات کا ان دباؤں سے گہرا تعلق ہے۔ آلہ ہائے تناسل سے متعلقہ امراض کی وسعت نے عوام کی صحت کو زبردست دھکا لگایا ہے۔ کچھ لوگوں (مثلاً مالتھس) کا خیال ہے کہ جس سوسائٹی میں قدرتی اصولوں کی پیروی کی جاتی ہے اس میں ملک کی دولت اسی نسبت سے بڑھتی چلی جاتی ہے جس نسبت سے وہاں ترقی پیدائش پر کلہاڑا رکھا جاتی ہے لیکن بیورو اس خیال کی ترجمانی نہیں کرتا اس کے خلاف وہ اپنے خیالات کی تائید جرمنی اور فرانس کے حالات سے اس طرح کرتا ہے کہ جرمنی میں جہاں اوسط ممات اوسط حیات کی نسبت زیادہ رہتی ہے وہاں ملک کی دولت بڑھتی جاتی ہے اور فرانس میں جہاں اوسط حیات اوسط ممات کی نسبت کم ہے وہاں کی ملک کی دولت گھٹتی جا رہی ہے وہ کہتا ہے کہ جرمنی کی حیرت انگیز وسعت تجارت کے سبب دوسرے ممالک کی نسبت جرمن مزدوروں کی کوئی زیادہ قربانی نہیں ہے۔ وہ روسی قول کا ایک فقرہ لکھتے ہیں:

"جرمنی کی آبادی جس وقت صرف چار کروڑ دس لاکھ تھی لوگ بھوکے مر گئے مگر جب سے اس کی آبادی چھ کروڑ اسی لاکھ ہو گئی ہے اس وقت سے وہ ہر روز مالدار ہوتا جا رہا ہے۔"

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ "جرمن لوگ جو کسی بدچلنی کا شکار نہیں ہیں۔ ہر سال سیونگ بینکوں میں روپیہ جمع کرا دیتے ہیں 1911ء میں ان کے بائیس ارب فرانک بنکوں

میں جمع تھے لیکن 1895 میں ان کے صرف آٹھ ارب فرانک جمع تھے یعنی ہر سال ان کی دولت ساڑھے آٹھ کروڑ کے حساب سے بڑھتی چلی گئی۔"

بیورو نے اس بات کو ضرور تسلیم کیا ہے کہ جرمنی کی یہ سب حیرت انگیز ترقی محض اسی وجہ سے نہیں ہوئی ہے کہ وہاں پیدائش اموات سے زیادہ ہے اس کا یہ دعویٰ ہے اور یہ ٹھیک بھی ہے کہ دیگر قسم کی سہولتوں کی موجودگی میں یہ تو بالکل قدرتی ہے کہ پیدائش کی ترقی کے ساتھ ساتھ ملکی ترقی بھی ہو۔ لیکن دراصل جو بات وہ ثابت کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ کثرت پیدائش کی وجہ سے مالی اور تمدنی ترقی کا رک جانا کوئی ضرور نہیں ہے۔ جہاں تک پیدائش کا فیصدی سے تعلق ہے وہاں تک ہم ہندوستانی لوگ فرانس کی حالت میں نہیں لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ جرمنی کی طرح ہندوستان میں بھی کثرت پیدائش کے سلسلے کا جاری رہنا ہمارے پولیٹیکل حالات کے موافق نہ ہوگا لیکن میں بیورو کے اعداد و شمار اور ان کی دلائل اور مثالوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کی حالت پر بھی غور کروں گا۔

جرمنی کے حالات پر جہاں کہ پیدائش اموات سے زیادہ ہے تبصرہ کرنے کے بعد بیورو کہتا ہے:

> "کیا ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ یورپ میں فرانس چوتھے درجے پر ہے لیکن دولت کے لحاظ سے اس کا درجہ تیسرے درجے سے بہت نیچے ہے ملک فرانس کی سالانہ آمدنی صرف ڈھائی ہزار کروڑ فرانک ہے یعنی پچیس ارب فرانک اور جرمنی لوگوں کی پانچ ہزار کروڑ فرانک یعنی

پچاس ارب فرانک۔"

ہمارے **ملک** نے 1879ء سے 1914ء تک تیس سال میں چار ہزار کروڑ فرانک یعنی چالیس ارب فرانک کا گھاٹا برداشت کیا ہے۔اس کے تمام صوبوں میں کھیتوں میں کام کرنے والے آدمیوں کی کمی ہے اور کسی کسی ضلعے میں تو پرانے آدمیوں کو چھوڑ کر کوئی بھی نیا آدمی دکھائی نہیں دیتا اور آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ بد چلنی اور غیر قدرتی طاقت زائل ہو جائے اور اس میں تجربہ کار بزرگوں کا وجود زائل ہو کر اس کی روح فنا ہو جائے۔فرانس کی فیصدی آبادی میں بچے اور جوان مل کر صرف 18 ہوتے ہیں جبکہ جرمنی میں 22 اور انگلینڈ میں 21 نوجوانوں کی نسبت بوڑھوں کی کمی حد اعتدال سے گزری ہوئی ہے اور دوسرے لوگوں میں بھی جنہوں نے اپنی بدچلنی سے جوانی میں ہی بڑھاپے کو دعوت دی ہے اصولی طور پر اپنا رعب اور دبدبہ گنوا دینے والی قوموں کی ہر قسم کی کمزوریاں موجود ہیں۔

لیکن بیورو یہ بھی لکھتا ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ فرانس کے لوگوں میں حکومت کے اعلیٰ ارکان کی کثرت اس تباہ کن پالیسی سے بیزار ہے کیونکہ ان کی رائے میں یہ معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ کس کی خانہ داری کس قسم کی ہے۔لیوپول مولو کا ذیل کا فقرہ وہ نہایت افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں۔

"مظلوموں پر گندی گالیوں کی بوچھاڑ کرنے اور اس ظلم سے ستائے ہوئے لوگوں کی زنجیریں کاٹنے کے لیے جنگ کرنا قابل تعریف ضرور ہے لیکن ان لوگوں کا کیا علاج ہے جو یا تو خوف سے یا

لالچ کی وجہ سے اپنی ضمیر کی آواز نہیں سن سکتے یا ان کے بارے میں جن کی دلیری پیٹھ ٹھونکے جانے یا تیوری بدلنے پر بڑھ یا گھٹ سکتی ہے یا ان آدمیوں کے بارے میں جو شرم اور لحاظ کو بالائے طاق رکھ کر اپنی اس قسم کو توڑتے ہیں جو انہوں نے اپنی جوانی کی عمر میں خوشی اور سنجیدگی سے اپنی اہلیہ کے سامنے اٹھائی تھی اور الٹا اپنے افعال بد پر خوش ہوتے ہیں نیز ان آدمیوں کے بارے میں جو اپنی بے مہار ہوس کا شکار ہو کر اپنے گھر دوزخ بناتے ہیں ایسے لوگ ہمارے نجات دہندہ کیسے بن سکتے ہیں؟"

مصنف پھر آگے چل کر لکھتا ہے۔

"اس طرح سے خواہ جس طرف نظر اٹھا کر دیکھیں ہم کو یہ معلوم ہو گا کہ ہماری بداعتدالیوں کے سبب افراد، قبائل اور معاشروں کو بھاری چوٹ لگ رہی ہے اور دوسرے یہ کہ ہم نے خود ہی اپنے سر پر بھاری مصیبت مول لے رکھی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی بدچلنی نے، فحش کتب اور تصاویر نے، روپیہ کے لالچ سے شادی کرنے کی بدرسم نے، جھوٹے گھمنڈ، کثرت شہوت اور طلاق نے اختیاری پیدائش اور اسقاط حمل نے ملک کو بانجھ کر کے اس کی ترقی کو مسدود کر دیا ہے۔ افراد اپنی طاقت کو محفوظ نہیں رکھ سکتے اور بچوں کی پیدائش کی قلت کے ساتھ ساتھ کم ہمت اور کمزور اولاد پیدا ہونے لگ گئی ہے۔"

''اگر پیدائش کم ہوتو بچے اچھے ہوں گے''

یہ مقولہ ان لوگوں کو پیارا لگا کرتا ہے جنہوں نے خود کو انفرادی حیثیت اور مجلسی زندگی کے لطیف اثرات کے اندر محدود رکھ کر یہ سمجھا ہوا تھا کہ انسانوں کی پیدائش بھی بھیڑ بکری کی طرح مانی جاسکتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے گسٹ کومٹے نے سخت الفاظ میں کہا تھا کہ ''معاشرے کی بیماریوں کے یہ فرضی معالج افراد یا معاشرے کے لطیف مدعا کو سمجھنے کے تو بالکل نا قابل ہیں ہاں اگر وہ حیوانات کے ڈاکٹر ہوتے تو اچھا ہوتا۔'' سچ تو یہ ہے کہ ان تمام دلی کیفیات میں جنہیں انسان قبول کرتا ہے ان تمام نتائج میں جن پر وہ پہنچتا ہے۔ ان تمام عادات میں جن کا وہ عادی ہوتا ہے کوئی بھی ایسی نہیں ہوتی جو انسان کی انفرادی حیثیت اور مجلسی زندگی پر اتنا اثر ڈالتی ہو جتنا کہ شہوت پرستی سے تعلق رکھنے والی عادات اور اس کی لوازمات اثر ڈالتے ہیں۔ خواہ انسان ان کی روک تھام کرے یا وہ خود ان کی رو میں بہہ جائے اس کے افعال کی گونج اس کی مجلسی زندگی کے کونے کونے میں سنائی دے گی کیونکہ یہ قدرتی اصول ہے کہ خفیہ حرکات بھی اپنے اثر کی تعبیر کے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ اسی اسرار کی وجہ سے ہم کسی گناہ کو کرتے وقت اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ہمارے اس فعل کا انجام بد نہ ہوگا۔

(رہی اپنے متعلق بات سو ہم ان کے بارے میں اول تو بالکل بے فکر ہو جاتے ہیں کیونکہ ہم نے خود اپنی ذات کو ذمہ دار ٹھہرا کر وہ کام کیے ہیں) لیکن جب ہم مجلسی حالت پر غور کرتے ہیں تب اسے اپنے سے اتنا بلند سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری حرکات کی

طرف دیکھے گی بھی نہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم خفیہ طور پر اس امر کے بھی خواہاں رہتے ہیں کہ دوسروں میں پاکیزگی اور کردار کا اعلیٰ معیار قائم رہے گا۔ سب سے قابل افسوس امر تو یہ ہے کہ اس قسم کا لچر اعتقاد بعض اوقات سچ بھی ہو جاتا ہے۔ اور ہم اپنی خیالی طاقت کے گھمنڈ میں بھی اسی ترچھی راہ پر گامزن ہوئے چلے جاتے ہیں اور بوقت ضرورت ہم اس غلط روی کو انصاف کا ہی نام دیتے ہیں لیکن درحقیقت ہماری یہ غلطی ہی ہمارے لیے سب سے بڑی سزا ہے۔

> ”لیکن ایک دن ایسا بھی آتا ہے جبکہ ہمارے خیالات کی کسوٹی پر پورا اترنے والے واقعات سخت نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں اور ہمیں اپنے مذہب سے گرا دیتے ہیں ہمارے ان افعال بد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نیک چلنی سے وہ محبت کرنا جسے ہم دوسروں کا ہی حصہ سمجھتے رہے ہیں ہمارے لیے بہت مشکل امر ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارا ہمسایہ ہم سے دھوکہ کھا کر آہستہ آہستہ ہماری نقل کرنے لگ جاتا ہے اور اسی دن سے گراوٹ شروع ہو جاتی ہے ہر شخص اپنے افعال کے نتائج اور ان کے ذریعہ سے ان عائد ہونے والی ذمہ داریوں کا با آسانی احساس کر لیتا ہے۔ اور وہ یہ بھی جان سکتا ہے کہ اس کی ذمہ داری کہاں تک ہے۔“

جس خفیہ راز کو ہم تاریک غاروں میں بند سمجھتے تھے اس کا انکشاف ہو جاتا ہے اور ایک فرد کے گناہ کا اثر تمام کرہ ہوائی کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ مثال صادق آتی

ہے کہ

''ایک مچھلی تمام تالاب کو گندا کرتی ہے۔''

جیسے کسی تالاب میں پتھر پھینکنے سے تمام پانی میں لرزہ خیز طوفان مچ جاتا ہے اسی طرح ہماری سماجی غلطیوں کا اثر سماج کے کونے کونے پر پڑتا ہے۔

''اصولوں کی گراوٹ قوموں کے اوصاف حمیدہ کو جذب کر کے ان کو مردہ کر دیتی ہے اور ان کی اصولی خوبی جسمانی طاقت کو چوس لیتی ہے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چوتھا باب

ضبط اور کنوارہ پن

اتنا لکھ چکنے کے بعد کہ بد چلنی کی مختلف شکلوں میں ذاتیات، قبائل نیز سماج کو سخت دھچکا لگتا ہے، مصنف انسانی خصلت کے بارے میں لکھتا ہے کہ انسان غلطی سے یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ میں فلاں کام میں آزاد ہوں اس میں سماج کا کوئی دخل نہیں لیکن یہ قدرتیات ہے کہ خفیہ سے خفیہ اور نجی سے نجی باتوں کا بھی سماج پر نہایت بے ضرر طریقے سے اثر پڑتا ہے اور اس سے سماج کو سخت نقصان پہنچتا ہے اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے والے بعض اشخاص محض اس خیال سے کہ ان کے اس فعل سے سماج کا کوئی تعلق نہیں ہے اپنے گناہ کو گناہ کہتے ہوئے جھجکتے ہیں اور اس گناہ کو وہ دوسروں کے لیے بے ضرر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ سچ ہے کہ گناہ چھپ نہیں سکتا لیکن اس گناہ کا زہریلا اثر تمام سماج میں پھیل جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ خواہ کوئی گناہ کتنا ہی چھپ کر کیا جائے اس سے بھی سماج کو نقصان پہنچتا ہے۔

پھر اس کا علاج کیا ہے مصنف لکھتا ہے کہ ''قانون کے ذریعے اسے روکا نہیں جا سکتا اس کے لیے صرف روح کی پاکیزگی ہی واحد علاج ہے اس لیے اس بارے میں عوام کی آواز میں اثر پیدا کرنا نہایت ضروری بات ہے کہ جس نے غیر شادی شدہ

عورت اور مرد مجرد بن کر رہیں۔ جو لوگ اپنی خواہشات پر قابو نہیں رکھ سکتے ان کے لیے شادی کرنا ضروری ہے اور جو شادی شدہ ہوں۔ ان کو ایک دوسرے پر انحصار رکھتے ہوئے اصول کا پابند رہ کر اپنی زندگی گزارنی چاہیے۔'' اسی قسم کے مختلف پہلوؤں پر فاضل مصنف نے تفصیل سے بحث کی ہے۔

لیکن بہت سے لوگ کہتے ہیں

''تجرد سے عورت اور مرد کی صحت کو دھچکا لگتا ہے اور یہ تبلیغ کرنا کہ مجرد رہو۔ ان کی نجی زندگی اور شخصی آزادی پر ناقابل برداشت حملہ کرنا ہے۔''

مصنف اس دلیل کا منہ توڑ جواب دیتا ہے۔

''شہوت نیند یا بھوک کی مانند کوئی ایسی لازمی چیز نہیں ہے جس سے انسانی جسم تندرست رہے اگر ہم کھانا نہ کھائیں گے تو کمزور ہو جائیں گے اگر نیند بھر نہ سولیں تو بیمار ہو جائیں گے۔ اور اگر حاجات ضروری کو روکیں، تو کئی قسم کی بیماریوں کا شکار ہو جائیں گے لیکن حیوانی خواہشات کو ہم بخوبی روک سکتے ہیں۔ اس لیے ایسا کرنے کی طاقت بھی ایشور نے ہم کو دی ہے آج کل ہوس نفسانی کو قدرتی جذبہ کہا جاتا ہے۔ مگر نئی روشنی میں بہت سے لوازمات شامل کر دیئے گئے ہیں جن کی وجہ ملک کی کنواریوں اور نوجوانوں میں وقت سے پہلے اور ضروریات سے زیادہ شہوانی جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔''

اس کے بعد مصنف نے کئی لائق ڈاکٹروں کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ مجرد رہنے سے صحت جسمانی کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اس سے صحت کو غیر محدود اور غیر یقینی فائدہ پہنچتا ہے۔

ٹوبگس یونیورسٹی کے پروفیسر آسٹرلن کا قول ہے۔

''خواہش حیوانی اتنی طاقتور نہیں ہوتی کہ جس کو روحانی طاقت سے قابو نہ کیا جا سکے ہاں ہر ایک کنواری اور جوان کو مناسب عمر پر پہنچنے سے پہلے پورے قواعد اور اصولوں کی پابندی کرنی سیکھنی چاہیے انہیں یہ یقین کر لینا چاہیے کہ ان کے روحانی استقلال کا صلہ ان کو مضبوط اور طاقتور جسم اور برکت آمیز دلیری میں ملے گا۔''

یہ بات جتنی دفعہ لکھی جائے تھوڑی ہے کہ اصولی اور جسمانی اعتدال اور مکمل کنوارا رہنا سہولیت کے ساتھ ممکن ہے اور شہوت پرستی کی تائید نہ تو مندرجہ بالا کسی لحاظ سے اور نہ مذہب ہی کے نکتہ نگاہ سے کی جا سکتی ہے۔

لندن کے رائل کالج کا پروفیسر ایکسل ولی لکھتا ہے کہ

''نیک چلن اور مہذب انسانوں کی مثالوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بڑی سے بڑی کمزرویوں کو بھی انسان صدق دل اور دل کی مضبوطی سے محض اپنی بود و باش میں اعتدال اور استقلال پیدا کرنے سے دور کر سکتا ہے۔''

مختصر یہ کہ غیر شادی شدہ رہنا نہایت مشکل نہیں ہے بشرطیکہ انسان اپنی

خواہشات پر قابو پانے کے ذرائع ڈھونڈ سکے۔ اور حواس پر غلبہ پانے کا مطلب صرف یہی نہیں کہ شہوت پرستی کو ترک کر دیا جائے بلکہ یہ بھی لازمی امر ہے کہ خیالات کی رو کو اس طرف جانے سے روک دیا جائے ورنہ کامیابی مشکل ہے۔

سوئز رلینڈ کا روحانی سائنس کا فلاسفر جس نے کہ اس مضمون کا بغور مطالعہ کیا ہے کہتا ہے:

''کثرت سے ہر پہلو میں جسمانی طاقتیں نشوونما پاتی ہیں۔ اس کے خلاف اس سے وہ مخالف طاقتیں شکست کھا جاتی ہیں جو اس کی وجہ سے پیدا ہو کر انسان کو بدی کی طرف لے جاتی ہیں۔''

''شہوت پرستی سے تعلق رکھنے والی تمام باتیں شہوت کو بھڑکا دیتی ہیں ان باتوں سے بچے رہنے سے ان کا اثر کم ہو جاتا ہے اور خواہشات آہستہ آہستہ کم ہو جاتی ہیں اکثر نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ خواہشات پر قدرت حاصل کرنا ایک ناممکن بات ہے لیکن وہ لوگ جو اعتدال سے رہتے ہیں ثابت کرتے ہیں کہ تندرستی کو قائم رکھتے ہوئے بھی زندگی میں ہر قسم کا لطف اٹھایا جا سکتا ہے۔''

ایک دوسرا فلاسفر لوونگ صاحب لکھتا ہے:

''میں پچیس یا تیس برس یا اس سے زیادہ عمر والے کئی لوگوں کو جانتا ہوں جنہوں نے پورے طریقے سے زندگی بسر کی ہے اور ایسے لوگوں کو بھی جانتا ہوں جنہوں نے شادی سے پہلے بھی کنوارہ پن قائم رکھا ہے

ایسے اشخاص کی کمی تو نہیں ہاں وہ لوگ اپنا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے۔"

میرے پاس ایسے کتنے ہی طلباء کے خطوط پہنچے ہیں جنہوں نے اس امر پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ انہوں نے کنوارے پن کے اصولوں کی پابندی کرنے پر کافی توجہ نہیں دی۔

ڈاکٹر ایکٹن لکھتا ہے:

"شادی سے پہلے نوجوان کو مکمل کنوارہ رہنا چاہیے اور یہ ممکن بھی ہے۔"

سر جیمز پیگٹ کا خیال ہے:

"جس طرح پاکیزگی سے روح کو نقصان نہیں پہنچتا اسی طرح جسم کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا حواس پر قابو پانا سب سے اعلیٰ خوبی ہے۔"

ڈاکٹر پیریر لکھتا ہے:

"مکمل کنوارے پن کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ نقصان دہ ہے بالکل غلط خیال ہے اس خیال کو دور کرنا چاہیے کیونکہ یہ خیال کنوارے لڑکے لڑکیوں کے دلوں میں ہی گھر نہیں کرتا ہے بلکہ ان کے والدین پر بھی اثر پذیر ہوتا ہے نوجوانوں کے لیے کنوارے پن، جسمانی، روحانی اور مجلسی طور پر ہر لحاظ سے ان کی حفاظت کرنے والی چیز ہے۔"

سر ایڈ رو کلارک کہتا ہے:

"کنوارے پن سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور نہ وہ انسان کے فطری جذبات پر ہی اثر کرتا ہے بلکہ وہ تو طاقت کو دوبالا کر کے دماغ کو تروتازہ کر دیتا ہے کنوارے پن کو توڑنے سے روحانی طاقت کم ہو جاتی ہے۔ سستی بڑھ کر جسم ایسی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے جو مستقبل میں اولاد پر بھی اثر ڈالتی ہیں۔ یہ کہنا کہ شہوت پرستی نوجوانوں کی صحت جسمانی کے لیے لازمی چیز ہے محض غلطی ہی نہیں بلکہ ان پر بے رحمی سے ظلم کرنا ہے۔"

ڈاکٹر بلیڈ نے لکھا ہے:

"کنوارا پن ضائع کرنے کے بد نتائج تو کیا شادی شدہ اور کیا غیر شادی شدہ سب کو معلوم ہیں لیکن کنوارے پن کے بد نتائج تو محض فرضی ہیں مندرجہ بالا دونوں پہلوؤں میں اول الذکر کی تائید میں تو دنیا کے بڑے بڑے فلسفی یک زبان ہیں لیکن موخر الذکر کو ثابت کرنے والا ابھی تک کوئی نہیں ملا۔"

ڈاکٹر مونٹیگزا نے اپنی ایک تصنیف میں لکھا ہے:

"کنوارے پن سے پیدا ہونے والی بیماریاں میں نے نہیں دیکھیں۔ عموماً عوام اور خصوصاً نوجوان کنوار پن سے پہنچنے والے فوائد کا فوراً ہی احساس کر سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر ڈیوبائے بھی اس امر کی تائید میں کہتا ہے:

''ان انسانوں کی نسبت جو کہ حیوانی جذبات کے چنگل سے بچنا جانتے ہیں وہ لوگ نامردی کے زیادہ شکار ہوتے ہیں جو کہ محض حیوانی جذبات کی سیری کے لیے اپنے حواس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں۔''

ان کی اس بات کی تائید ڈاکٹر فیری کس خوبی سے کرتا ہے:

''جو لوگ من کو قابو میں کر سکیں وہ کنوارے پن کی پابندی کریں اور اس کی وجہ سے اپنی جسمانی صحت کے بارے میں ذرا بھی شک نہ کریں کیونکہ خواہشات کی سیری پر صحت جسمانی کا انحصار نہیں ہے۔''

پروفیسر ایمفریڈ فارنیز لکھتا ہے:

''کچھ لوگوں نے نوجوانوں کے لیے کنوارہ پن قائم رکھنے کے خطرات کا ذکر کرتے ہوئے نہایت ناواجب اور لچر دلائل دیئے ہیں لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر واقعی کنوارے پن میں کوئی خطرہ ہے تو میں اس سے بالکل ناواقف ہوں حالانکہ اپنے کاروبار میں اس بارے میں ان خطرات کو محسوس کرنے کا مجھے پورا موقعہ حاصل رہا ہے لیکن پھر بھی ایک معالج کی حیثیت سے ان کی ہستی کے لیے میرے پاس ایک بھی ثبوت نہیں۔''

علاوہ ازیں ایک علم جسمانی کے واقف کی حیثیت سے میں تو یہی کہوں گا کہ تقریباً 25 سال کی عمر سے پہلے منی پختگی کی حد کو نہیں پہنچتی اور نہ ہی اس سے پہلے

مباشرت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ وقت سے پہلے نوجوانوں میں خواہشات کا غلبہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کی پرورش نہایت تباہ کن اور ناقص طریقے پر ہوئی ہے۔ کیونکہ اس طرح لڑکے لڑکیوں میں وقت سے پہلے ہی جذبات شہوانی جاگ اٹھتے ہیں۔

''خواہ کچھ بھی ہو، یہ امر یقینی ہے کہ کنوارے پن سے کسی نقصان کا احتمال نہیں ہے۔ نقصان تو کچی صورت میں منی کو ضائع کر کے ناواجب خواہشات کو سیری کرنے میں ہے۔''

''اس عالمگیر ثبوت کے بعد مصنف آخر میں 1902ء میں برسلز میں دنیا کے ڈاکٹروں کی کانفرنس میں پاس کردہ ریزولیشن کی نقل دیتا ہے۔''

''نوجوانوں کو یہ سبق دینا چاہیے کہ کنوارے پن کی پابندی کرنے سے ان کی صحت کو کبھی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ علم طب اور علوم جسمانی کی رو سے تو کنوارہ پن ایک ایسی چیز ہے جس کی تشہیر بڑے زور سے کرنی چاہیے۔''

کچھ سال پہلے کسی عیسائی یونیورسٹی کے معالجوں نے اتفاق رائے سے چیلنج کے اتھا کہ یہ کہنا بالکل فضول ہے کہ کنوارہ پن صحت کے لیے نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ اس امر کا ہم نے یہ تجربہ کیا ہے ہماری رائے میں اس بےضرر طریقے پر زندگی بسر کرنے والے کو کوئی جسمانی تکلیف نہیں ہوسکتی۔

مصنف نے اپنا منشاء مضمون یوں ظاہر کیا ہے۔

''آپ یہ تو بخوبی سمجھ چکے ہوں گے کہ سماجیات اور دینیات تو پکار پکار کر یہ کہہ رہے ہیں کہ مباشرت کی خواہش نیند اور بھوک کی طرح نہیں ہے جس کا پورا کرنا لازمی ہے تمام زن و مرد کے لیے بغیر کسی تکلیف کے کنوارے پن کی پابندی کرنا آسان ہے۔ عام طور پر اس سے کوئی بیماری نہیں ہوئی بلکہ اس کے خلاف عمل کرنے سے بیشمار بیماریاں آگھیرتی ہیں۔ لیکن اگر ایک لمحہ کے لیے یہ مان لیا جائے کہ منی کی حفاظت کرنے سے بیماری ہوتی ہے تو پھر بھی قدرت نے صحت کو برقرار رکھنے کے لیے منی کے نکلنے کے قدرتی ذرائع مہیا کیے ہوئے ہیں۔''

اس لیے ڈاکٹر بیری کا یہ کہنا سولہ آنہ صحیح ہے:

''یہ سوال قدرتی اور حقیقت آمیز نہیں ہے یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ اگر بھوک نہ مٹائی جائے یا سانس رک جائے تو اس کے کیا بد نتائج ظہور میں آسکتے ہیں لیکن کوئی مصنف یہ نہیں لکھتا کہ مستقل یا عارضی، کسی بھی قسم کے کنوارے پن سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ اس عمل سے فلاں بیماری پیدا ہوگئی۔ اگر دنیا میں ہم مجرد لوگوں کا مطالعہ کریں تو وہ کسی سے نہ تو دنیاوی شہرت میں کم رہے اور نہ روحانی طاقت میں اور جسمانی طاقت میں تو ذرہ بھر بھی کم نہیں ہیں وہ اگر شادی کرلیں تو خانہ داری کے فرائض ادا کرنے کی قابلیت میں بھی دوسروں سے کم نہیں

رہیں گے۔ خواہشات کی سیری ایسی چیز نہیں ہے جو جسمانی نشوونما میں رکاوٹ ڈالنے والی ہو۔ بلکہ اس کے خلاف عمل کرنے سے یہ نقصان پہنچتا ہے۔ مکمل جسمانی نشوونما کے لیے کنوارہ پن نہایت ضروری چیز ہے۔ اس لیے نوجوان اپنی طاقت کو جتنا بھی قائم رکھ سکیں اتنا ہی اچھا ہے کیونکہ بڑھاپے میں بچپن کی نسبت بیماری کو روکنے کی طاقت کم ہوتی ہے۔ اس نشوونما کے زمانے میں جب کہ جسم اور روح تکمیل کو پہنچ رہے ہوں قدرت کو بہت حرکت کرنی پڑتی ہے اس مشکل وقت میں کسی بھی پہلو میں حد سے گزرنا برا ہے لیکن خصوصاً نفسانی جذبات تو بہت ہی نقصان دہ ہیں۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆

پانچواں باب

شخصی آزادی

کنوارے پن سے جسم کو جو فوائد حاصل ہیں ان کا ذکر ہو چکا ہے اب مصنف روحانی اور مجلسی فوائد کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر مونٹیگرا کا حوالہ دیتا ہے۔

کنوارے پن سے کئی فوائد فوراً ظہور میں آتے ہیں ان کا احساس یوں تو عوام کو ہو جاتا ہے لیکن نوجوان بہت جلد محسوس کرتے ہیں کنوارے پن سے قوت حافظہ تیز اور مستقل ہو جاتی ہے۔اور عقل مضبوط ہو جاتی ہے۔ انسان کی تمام زندگی میں ایک نمایاں پلٹا آ جاتا ہے جس کا گمان ہونا مشکل ہے۔ کنوارہ پن زندگی میں چمک اور خوبصورتی کو بھر دیتا ہے۔ اور نصیب بدل دیتا ہے کنوارے نوجوانوں کی پھرتی، ہوشیاری، جفاکشی اور مستقل مزاجی کا ہوس کے بندوں کی بزدلی اور سستی اور کاہلی یقینی سے مقابلہ کیجئے آپ کو دونوں میں زمین آسمان کا فرق ملے گا۔حواس پر قابو پانے سے کبھی کوئی بیماری نہیں ہوتی سنی گئی مگر ہوس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دینے سے بیشمار بیماریاں ہوتی سنی گئی ہیں۔

اس کے باوجود جو لوگ منی کو خارج کرنے کو ضروری قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے جسم کو حسب مرضی استعمال کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ کنوارے پن کی حد بندی کر کے آپ ہماری شخصی آزادی پر کاری ضرب لگاتے ہیں

ان کا جواب دیتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ سوسائٹی کے عروج کے لیے اس غلط آزادی پر پابندی عائد کرنا ضروری ہے وہ کہتا ہے۔

"سوسائٹی کے قوانین کے علماء کے خیال میں افعال کے منجملہ ارتکاب کا ہی نام زندگی ہے اور کوئی فعل ایسا نہیں کہا جا سکتا جو سماج سے تعلق نہ رکھتا ہو بلکہ سماج ہے ہی اس مطلب کے لیے کہ وہ افعال کی پڑتال کرے۔ بالفرض اگر ہم غلطی سے اپنے آزادانہ افعال اور سماج سے تعلق رکھنے والے افعال کی غلطی سے دو اقسام بنا لیتے ہیں تو پھر بھی ہر دو قسم کے افعال کا وسیع اور غیر محدود اثر پڑے گا۔ خواہ ہم اپنے خاص افعال کو کتنا ہی خفیہ کیوں نہ رکھیں۔ خواہ ہم اس اثر کو محسوس نہ کریں یہ اصول قدرتی ہے اس میں کسی کا ہاتھ کام نہیں کر سکتا۔ یہ ہماری سوسائٹی کی کم فہمی یا غلطی ہے کہ وہ ہمیں یا کسی خاص ذات کو کسی خاص پہلو میں خود ہی آزاد ٹھہرا دیتی ہے۔ حالانکہ اس غلط آزادی کی وجہ سے وہ خود خاص اپنی عظمت کو کھو کر حقیر بن جاتا ہے جو کہ اس کے آزادانہ افعال کا لازمی نتیجہ ہے۔"

اس کے بعد مصنف نے ظاہر کیا ہے کہ جب ہمیں بازار کی سڑک پر ہر جگہ تھوکنے کی اجازت نہیں تو بھلا منی جیسی عظیم طاقت کا حسب مرضی خرچ کرنے کا ہمیں کیسے اختیار ہو سکتا ہے۔ کیا یہ کام ایسا ہے جو مذکورہ بالا منجملہ سماج سے تعلق رکھنے والے افعال سے غیر متعلقہ ہے ہرگز نہیں فرض کیجئے ابھی ایک نوجوان نئی دلہن کو بیاہ کر

لائے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم ہر طرح آزاد ہیں ہمارا آزادانہ افعال سے کسی کو کوئی مطلب نہیں۔ یہ محض ہم دونوں کا نجی اور آزادانہ فرض ہے کہ جس طرح چاہیں ہم اس کو ادا کریں وہ اپنی آزادی کے دھوکے میں یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے سماج پر کوئی خراب اثر نہیں پڑ سکتا۔ اور نہ ہی سماج کا کوئی حق ہے کہ وہ ہمارے اس خاص تعلق میں دخل اندازی کرے لیکن یہ ان کا لڑکپن ہے وہ نہیں سمجھتے کہ ان کے خفیہ اور انفرادی انفعال کا اثر دور دور تک پڑتا ہے۔ اور نہایت خوفناک پڑتا ہے اپنی اس روش سے تم سماج کو تباہ کرنا چاہتے ہو خواہ تم چاہو یا نہ چاہو۔ تم اپنے عارضی لطف کے لیے سماج کی آنکھوں میں دھول ڈال کر اس کو اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہو تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم سماج میں اختلاف افعال کا بیج بوتے ہو۔ اپنی خودغرضانہ آزادی سے ہم نے اپنے سماج کو تو خراب کر ہی لیا بلکہ ابھی تک سب سماجوں میں ایسا ہی سمجھا جاتا ہے کہ اولاد پیدا کرنے کی طاقت کے متعلق جو ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے اسے ہر شخص بخوشی ادا کرے گا مگر اس ذمہ داری کو بھول جانے سے ہی آج سرمایہ اور جفاکشی، مزدوری اور وراثت، ٹیکس اور فوجی طاقت نمائندگی کے حقوق وغیرہ جیسے بے ہودہ سوالات پیدا ہو گئے ہیں۔ اس ذمہ داری کو محسوس نہ کر کے ہی ایک فرد خاص سماج کے تمام نظام کو توڑ دیتا ہے اور اس طرح دوسروں پر اپنی ذمہ داری ڈال کر خود فارغ ہونا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ کسی چور، ڈاکو یا لٹیرے سے کم نہیں کہا جا سکتا۔ اپنی اس جسمانی طاقت کے غلط اور ناجائز استعمال کے لیے بھی ہم سماج کے سامنے اتنے ہی جوابدہ ہیں جتنے دوسرے افعال کے لیے۔ ہمارا سماج اس پہلو کا علاج کرنے

میں غیر مسلح ہے اور اس لیے اسے ہماری عقل پر ہی ہمارے خاص افعال کی ذمہ داری ڈالنی پڑی اسی وجہ سے ایسے آزادانہ افعال کے لیے ہماری ذمہ داری اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

"آزادی ظاہراً لطف آمیز معلوم ہوتی ہے لیکن در حقیقت وہ ایک بڑا بھاری بوجھ ہے اس کا احساس تمہیں پہلی دفعہ ہی ہو جاتا ہے تم سمجھتے ہو کہ دل اور دماغ دونوں ایک ہیں اگرچہ دونوں میں ہے تو تمہاری ہی طاقت لیکن بعض اوقات دونوں میں بہت فرق ہو جاتا ہے اس وقت تم کس کی پیروی کرو گے۔ اپنی عقل کی یا اپنے نیچے گرانے والے حواس کی خواہشات کی؟ اگر خواہشات کا عقل پر فتح پا لینے میں ہی سماج کا بھلا ہے پھر تو تمہیں ان دونوں میں سے ایک بات کو منتخب کرنے میں دقت پیش نہ آئے گی۔ لیکن تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ میں جسم اور روح دونوں کا پہلو بہ پہلو عروج چاہتا ہوں بیشک، لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ روح کی ذرہ بھر ترقی کے لیے بھی تمہیں کچھ نہ کچھ عہد ضرور کرنا ہوگا۔ پہلے ان خواہشات کے خیالات کو دور کر دو پھر تم جو چاہو گے بن جاؤ گے۔"

گیبریل سلیس کہتا ہے:

"ہم بار بار کہتے پھرتے ہیں کہ ہمیں آزادی چاہیے ہم آزاد ہوں گے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ اس آزادی میں ہمارے گلے فرائض کی کتنی بھاری بیڑی پڑ جاتی ہے ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ہماری اس بناوٹی

آزادی کا مطلب ''حواس کی غلامی'' ہے جس میں ہم نہ کبھی تکلیف محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں۔''

کنوارے پن میں مسرت ہے۔ اور اس کا جنگ کرنا تو مسرت کا زبردست دشمن ہے۔ خواہشات نفسانی یوں تو ہر عمر میں ہمارے لیے تکلیف دہ ثابت ہو سکتی ہیں لیکن عالم شباب میں تو یہ وبا ہماری عقل میں بہت ہی جلد طاقت لا سکتی ہے۔ جس نوجوان کا کسی عورت سے پہلے پہل تعلق ہوتا ہے وہ نہیں جانتا کہ وہ اپنی جسمانی روحانی اور مجلسی زندگی کے جوہر سے کھیل رہا ہے وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کی ان حرکات کی یاد اسے بار بار آ کر ستائے گی اور اسے اپنے حواس کی زبردست غلامی میں رہنا پڑے گا۔ کون نہیں جانتا کہ اس سے اچھے نوجوان جن سے مستقبل میں بڑی بڑی امیدیں تھیں اس غلامی کی وجہ سے جس کو آزادی کا نام دیا جاتا ہے تباہ ہو گئے۔ اور ان کی سب سے پہلی مجلسی گراوٹ سے ہی ان کی تنزلی شروع ہوئی تھی۔

انسان کی زندگی اس برتن کی مانند ہے جس میں تم اگر پہلی بوند میں ہی غلاظت چھوڑ دیتے ہو تو پھر خواہ کتنا ہی پاکیزہ پانی ڈالتے جاؤ سبھی خراب ہو جائے گا۔

انگلینڈ کے مشہور ماہر جسم انسانی کینڈرک نے بھی کہا ہے:

''خواہشات شہوانی کی سیری محض مجلسی گناہ ہی نہیں ہے بلکہ اس سے جسمانی کمزوری بھی پیدا ہوتی ہے اگر اس خواہش کے سامنے تم سر خم کر دو۔ تو یہ زبردست ہو کر تم پر اور بھی ظلم کرنے لگے گی اگر تمہارا دل پراگندہ ہے تو تم اس کی باتیں سنو گے اور اس کی طاقت بڑھاتے جاؤ

گے واضح ہو کہ ہر ایک خواہشات کے آگے سر تسلیم خم کرنے سے
تمہاری غلامی کی زنجیر میں ایک نئی کڑی کی زیادتی ہوتی چلی جائے
گی۔''

پھر تو اسے توڑنے کی تم میں طاقت ہی نہ ہوگی۔ اور اس طرح تمہاری زندگی ایک ابلہانہ کام کی مشق کرتے کرتے ختم ہو جائے گی اس لیے اونچے خیالات اور کنوارے پن میں ہی سرور کا راستہ ملتا ہے۔

بیورو نے اس کے بعد ڈاکٹر فرینک کا حوالہ دیا ہے۔

''خواہشات نفسانی پر دل و دماغ کا پورا پورا ہاتھ ہے کیونکہ وہ کوئی
جسمانی حاجات ضروری میں سے نہیں ہے۔ وہ محض ایک خواہش ہے
جس کو ہم اپنی مرضی سے بھی دانستہ طور پر پیدا کر لیتے ہیں نہ کہ فطرت
کے ماتحت رہ کر۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆

چھٹا باب

تاحیات تجرد

"شادی سے پہلے اور اس کے بعد کنوارے رہنے سے کیا فائدہ ہے اور اس حالت میں یہ کہاں تک ممکن ہے۔ اس امر پر بحث کر کے مصنف نے بتایا ہے کہ تاحیات مجرد رہنا کہاں تک ممکن ہے اور اس کی عظمت کیا ہے۔"

"شہوت نفسانی کی غلامی سے آزاد ہونے والے بہادروں کی فہرست میں سب سے پہلے ان نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کا نام آئے گا جنہوں نے کسی مقصد عظیم کی تکمیل کے لیے تاحیات مجرد رہنے کا عہد کیا ہے۔ ان کے اس مستقل مزاجی کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ کوئی بیکس و لاچار ماں باپ بھائی کی خدمت بجالانا ہی اپنا فرض سمجھتا ہے۔ کوئی اپنے لاوارث بھائی بہنوں کے لئے ماں باپ کے فرائض ادا کرتا ہے۔ کوئی علوم سیکھنے کی خواہش میں ہی مجرد رہ کر اپنی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ اور کوئی بیماروں اور اپاہجوں کی خدمت گزاری ہی اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا ہے اس عہد کی تعمیل کرنے کے لیے کسی کو تو اپنے دل پر اپنی خواہشات کے ساتھ زبردست جنگ کر کے قابو پانا پڑتا ہے اور کسی کے لیے قدرتی طور پر اس کے حسب حال راستہ کھل جاتا ہے ایسے لوگ اپنے دل میں اپنے یا خدا کے سامنے عہد کر لیتے ہیں کہ"

''جو مدعائے مقصود انہوں نے بنالیا ہے اب وہ بدل نہیں سکتا اور اب ان کے لیے شادی کا خیال کرنا بھی عیاشی میں شامل ہوگا۔''

مشہور نقاش نائی کیل انجیلو سے جب کسی نے کہا کہ تم شادی کر لو تو اس نے جواب دیا:

''نقاشی ہی میری ایسی رفیقہ ہے جو سوت کا رہنا گوارہ نہ کر سکے گی۔''

اپنے مغربی دوستوں کے تجربہ سے میں بیورو کے بتلائے ہوئے مختلف قسم کے اشخاص کی مثالوں سے اس بات کو ثابت کر سکتا ہوں کہ بہت سے دوستوں نے تا حیات مجرد رہنے کا عہد کیا ہے۔ ہندوستان کے سوائے اور کسی بھی ملک میں بچپن میں ہی شادی کا تذکرہ بچوں کے گوش گزار نہیں کیا جاتا۔ یہاں تو ماں باپ کی یہی خواہش رہتی ہے کہ لڑکے کا بیاہ کر کے اس کی روزی کا انتظام کر دینا ہی ہمارا انتہائی فرض ہے۔ پہلی بات سے تو عیاشی سے عقل اور جسم کی تباہی ہوتی ہے۔ اور دوسری بات سے اکثر نوجوان سست ہو کر دوسروں کی جمع کی ہوئی کمائی پر گزارہ کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ کنوارے پن اور اپنی مرضی سے کیے ہوئے عہد کی ہم تعریف ہی کرتے ہیں مگر اس کو اپنی ذات کے لیے ناممکن بتاتے ہوئے اس قسم کے فقرے کہا کرتے ہیں:

''یہ کام تو صوفیوں اور ولیوں سے ہی ممکن ہے''

ہم یہ بھی خود ہی کہا کرتے ہیں کہ صوفی اور ولی بھی تو ہم میں سے ہی ہوتے ہیں

ہم یہ بھلا دیتے ہیں کہ جس سماج کی حالت اس قدر خراب ہو اس میں سچے صوفی اور ولی کا ہونا کب ممکن ہے۔ سوا چار کی رفتار اگر کچھوے کی رفتار کی مانند سست ہے تو دوا چار خرگوش کی مانند دوڑتا ہے۔ لیکن دونوں میں فتح کس کی ہوتی ہے اس پر غور کرنے کی ہم نے ضرورت محسوس نہیں کی ہمارے پاس بد چلنی کا سوا بجلی کی رفتار سے دوڑا چلا آتا ہے اور اپنی من موہنی چمک دمک سے ہماری آنکھوں کو چکا چوند کر دیتا ہے اور ہم سچائی کو بھول جاتے ہیں۔ ہر لمحہ مغرب سے بذریعہ تار جو چیز ہمارے پاس پہنچتی ہے اور ہر روز بدیشی مال سے لدے ہوئے جو جہاز اترتے ہیں انہیں اس گزرکو جو جگمگاہٹ ہم تک پہنچتی ہے اسے دیکھ کر کنوارے پن کا عہد لینے میں ہمیں شرم تک محسوس ہوتی ہے اور غریبی کے عہد کو ہم پاپ تک کا نام دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں لیکن آج ہندوستان میں ہمیں مغرب کا جو نظارہ کرنا پڑ رہا ہے مغرب بخو دٹھیک ایسا نہیں ہے جس طرح مغربی افریقہ کے گوالے وہاں کے کچھ خستہ حال ہندوستانیوں کو دیکھ کر ہندوستانیوں کی بابت غلط رائے قائم کر لیتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی مغرب کی ایک چکا چوند کر دینے والی شعاع سے اندھے ہو کر مغرب کی بابت غلط اندازہ لگا لیتے ہیں جو لوگ اپنی آنکھوں سے جہالت کا پردہ ہٹا کر اس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے وہ محسوس کریں گے کہ مغرب میں بھی منی اور اس کی پاکیزگی کا ایک چھوٹا مگر گہرا چشمہ بہہ رہا ہے یورپ کے اس عظیم خشک صحرا میں بھی ایسے چشمے موجود ہیں جہاں اگر کوئی چاہے تو اس کے آب حیات کو پی کر اپنی زندگی کے عظیم مقصد کو حاصل کر سکتا ہے وہاں کے بیشمار انسان مجرد رہنے اور اپنی مرضی سے

سادہ زندگی بسر کرنے کا عہد کر لیتے ہیں اور پھر کبھی بھول کر بھی اس کے لیے تکبر نہیں کرتے اور نہ ہی شہرت چاہتے ہیں وہ لوگ ایسا عاجزی کے ساتھ یا کسی روحانی یا ملکی خدمت کے لیے کرتے ہیں ہم لوگ مذہب کی باتیں اس طرح کرتے ہیں گویا کہ مذہب اور رواج میں کسی قسم کا الحاق ہی نہ ہو اور یہ مذہب محض ہمالیہ کی چوٹیوں میں رہنے والے کے لیے ہی ہے۔ جس مذہب کا ہمارے روزمرہ کے کاروبار پر کوئی اثر ہی نہ پڑے۔ وہ مذہب ایک لا حاصل خیال کے سوائے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ سبھی نوجوان انسان اور عورتیں جن کے لیے یہ اخبار ہر ہفتہ لکھا جاتا ہے سمجھ لیں کہ اپنے گردونواح کو پاک کرنا اپنی کمزوری کو دور کرنا اور مجرد رہنے کے عہد کی پاسداری کرنا ان کا فرض اولین ہے۔ ان کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کام اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ ان کا خیال ہے۔

آگے چل کر مصنف لکھتا ہے:

"اگر ہم یہ تسلیم ہی کر لیں کہ شادی کرنا ضروری ہے تب بھی نہ تو سب ہی شادی کر سکتے ہیں اور نہ ہی سب کے لیے اس فرض کو لازمی اور مناسب سمجھا جائے گا۔ اس کے علاوہ کچھ اشخاص ایسے ہوتے ہیں جن کی زندگی کا مقصد محض کنوارا رہنا ہی ہو گا۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں اپنی تجارت یا مفلسی کے سبب شادی کا ارادہ ترک کرنا پڑے گا اور بعض کو قابل لڑکا یا لڑکی نہ ملنے کی وجہ سے اس ارادہ کو ترک کرنا پڑے گا بعض مریض ہوں گے۔ اس قسم کے مختلف اسباب سے متاثر

ہو کر بہت سے لوگ شادی کرنے کے خیال کو ترک کر دیتے ہیں کسی نیک کام یا مقصد کے لیے اسی زمرے کے افراد کے مجرد پن کے عہد سے ان لوگوں کو بھی اپنے عہد کی تکمیل میں مدد ملتی ہے جو مجبوراً مجرد پن کو اختیار کرتے ہیں۔ خوش اعتقادی سے جس نے کنوارے پن کو اختیار کیا ہے۔ اسے اپنا عہد مشکل اور نامکمل معلوم نہیں ہوتا بلکہ وہ تو ایسی زندگی کو فرحت بخش اور روح افزا زندگی قرار دیتا ہے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں قسم کے کنواروں کو اپنے عہد میں مستقل مزاجی حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے اور وہ ان کا رہنما بن جاتا ہے۔''

فارسٹر صاحب لکھتے ہیں:

''مجرد پن کا عہد خانہ داری کا زبردست ممد و معاون ہے۔ یہ تو انسان کو نفسانی جذبات سے نجات دلا کر اس کو جنت نصیب کرانے والا ہے شادی شدہ اشخاص اسے دیکھ کر خیال کرتے ہیں کہ باہمی رشتہ الفت میں محض ایک دوسرے کی خواہش حیوانی کی سیری کے لیے ہی وابستہ نہیں ہیں بلکہ نفسانی جذبات کے رہتے ہوئے بھی وہ آزاد روح ہیں کنوارے پن کا مذاق اڑانے والے لوگ یہ نہیں جانتے کہ ان کی ہنسی اڑا کر وہ عیاشی اور کثرت ازدواج کی حمایت کر رہے ہیں اگر یہ مان لیا جائے کہ خواہشات کی سیری لازمی امر ہے تو پھر شادی شدہ جوڑے سے کس طرح پاکیزہ زندگی کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ وہ یہ

بھول جاتے ہیں کہ بیماری یا کسی اور سبب سے کبھی کبھی دونوں میں سے ایک کی کمزوری کی وجہ سے دوسرے کے لیے تا حیات مجرد رہنا قابل عمل ہو جاتا ہے۔ اگر زیادہ نہیں تو محض اسی وجہ سے کہ کنوارے پن کی عظمت کو ہم جس قدر بلند کرتے ہیں اتنی ہی بلندی پر ہم ایک عورت کی وفاداری کی فطرت کو چڑھاتے ہیں۔‘‘

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ساتواں باب

شادی کا پاکیزہ مقصد

تا حیات مجرد رہنے کے مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد مصنف نے کئی ابواب میں فرائض خانہ داری و شادی کی اہم ذمہ داریوں کا ذکر کیا ہے اگرچہ وہ مکمل مجرد پن کو ہی سب سے افضل مانتے ہیں پھر بھی چونکہ عوام میں اس اہم عہد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی طاقت نہیں اس لیے ایسے لوگوں کے لیے شادی کی زنجیر میں جکڑے جانا محض ضروری ہی نہیں بلکہ ضروری فرض ہے۔ اس نے یہ ثابت کیا ہے کہ فرائض خانہ داری کو سمجھ کر کسی شخص کے لیے مانع حمل کے غیر قدرتی ذرائع کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس بداعتدالی کا سبب ہماری غلط تعلیم ہے۔ بیاہ کی ہنسی اڑانے والے اشخاص کے اعتراضات کا جواب دے کر مصنف آگے لکھتا ہے:

> ''عورت مرد کے تا حیات وابستہ رہنے کا نام شادی ہے۔ شادی ایک باہمی ٹھیک نہیں ہے بلکہ وہ ایک مذہبی رسم ہے مذہبی تعلق ہے، دائمی رشتہ ہے۔ یہ کہنا سراسر بھول ہے کہ شادی کی آڑ میں روا رکھے ہوئے نفسانی جذبات قابل معافی ہیں۔ عیاشی سے شادی کا اصلی مدعا مفقود ہو جاتا ہے۔ بقائے نسل کی خواہش کے علاوہ اور ہر قسم کی شہوانی خواہشات کی غلامی کرنا حقیقی محبت سوسائٹی نیز اپنی ذات کے لیے مضر

ثابت ہوتی ہے فرانسیسی کا قول ہے کہ مختلف قوم کی ادویات کا استعمال کرنا نہایت خطرناک ہے شہوت کی اصلی دوا شادی ہے لیکن اگر اس کا بھی ہوش و ہواس قائم رکھ کر استعمال نہ کیا جائے تو یہ بھی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔"

اس کے بعد مصنف رشتہ زوجیت قائم کرنے یا توڑنے میں نیز بد اعتدالیوں کے ساتھ خانہ داری کی زندگی بسر کرنے کو سراسر ذاتی آزادی کے خلاف ثابت کر کے محض واحد زوجہ کی ہی محبت کو مقدم قرار دیتا ہے۔

یہ ٹھیک نہیں ہے کہ شادی کرنے یا خودغرضانہ کنوارپن کی زندگی بسر کرنے کا ہر بشر کو پورا حق حاصل ہے۔ اور اس سے کم حق شادی شدہ جوڑے کو باہمی رشتہ زوجیت کو فسخ کرنے کا ہے ان کی آزادی ایک دوسرے پر انحصار رکھنے میں پنہاں ہیں۔ اور وہ یہ سوچ بچار کر کے اس رشتہ محبت میں وابستہ ہوتے ہیں کہ اس سے اس کی زندگی آرام سے گزر جائے گی۔ اگر ایک جوڑے میں بھی یہ مبارک خیال جاگزیں ہو گیا تو پھر ان کا اچھا اثر دور دور تک پھیل جاتا ہے۔ خواہ آج اسے ہم محسوس نہ کر سکیں لیکن جو محسوس کرتے ہیں وہ ہماری موجودہ سماجی برائیوں کی اصلیت کو سمجھتے ہیں انہیں اس امر سے تسکین حاصل ہو گی کہ جب تمام سماجوں میں دن بدن عروج انگیز تبدیلی آتی رہتی ہے تو اس رشتہ زوجیب میں بھی انقلاب اور تغیرات کا آنا ضروری ہے وہ دیکھتے ہیں کہ آج جب باہمی ملاپ ہونے کے باوجود بھی طلاق کے حقوق مانگے جا رہے ہیں تو وقت آنے پر آنے والی مشکلات کو محسوس کر کے ہمیں

بیوی کی وفاداری کی گہرائی کا احساس ہوگا۔

''شادی کو فسخ نہ کرنے کا قاعدہ کسی غیر مدلل اصول پر قائم نہیں کیا گیا ہے۔ شخصیتوں اور گروہوں کی سماجی زندگی کے اہم نکتوں سے اس کا تعلق ہے۔ جو لوگ دنیا کو ترقی پذیر ماننے والے ہیں انہیں غور کرنا چاہیے کہ قوم کی یہ غیر مفقود ترقی اس کو کہاں لے جائے گی۔ حاضر جوابی کی ترقی، فرد کا اپنی مرضی سے لیا ہوا مجرد ین کا عہد دلی تسکین اور فراخدلی کا عروج، خودغرضی کے لیے نفرت جھوٹی خوشی دینے والے جذبات کی مخالفت کی زندگی، انسان کی باطنی خوبیوں کی ان باتوں کو ہم کبھی بھول نہیں سکتے۔ ہر قسم کی مالی اور سماجی ترقیوں کے ساتھ ان باتوں کا گہرا تعلق ہے ورنہ ان ترقیوں کی کوئی قیمت ہی نہیں رہ جاتی اس لیے سماجی اور روحانی ہر دو لحاظ سے اگر ہم دو مختلف راستوں پر گامزن ہوئے ہیں تو ہمیں یہ سوچنا پڑے گا کہ ہماری زندگی کی جملہ طاقتوں کو رو دینے والی کون کونسی کوششیں سب سے اچھی ہیں دوسرے لفظوں میں انسان کی سماجی گراوٹ کو روکنے کے لیے کونسا راستہ بہتر ہے۔ ان سوالات پر غور کرنے کے بعد یہ کہنا پڑے گا کہ محض اپنی بیوی سے محبت کرنے کے علاوہ ایک سمجھدار انسان کے لیے اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے خانہ داری کو واجب طریقے سے نبھانے میں ہی تمام انسانی اوصاف ترقی پاتے ہیں۔ اور انسان اپنی مستقل مزاجی کے سبب دن بدن عروج حاصل کرتا ہے۔ بالآخر یہ کہنا سچ ہے کہ انسان کی مجلسی زندگی کا مرکز ایک بیوی سے محبت کرنا ہی ہے۔''

اس کے بعد مصنف، آگزٹ کاسیٹ کے خیالات ہمارے سامنے رکھتا ہے۔

”ہمارے لیے مجلسی قواعد کی پابندی نہایت ضروری ہے ورنہ ہماری زندگی وحشیوں کی مانند ہو جائے گی۔ شادی کا مقصد جذبات شہوانی کی سیری نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے۔“

ڈاکٹر ٹولو نے لکھا ہے:

”خانہ داری کے آرام میں اس غلطی سے بہت کمی آ جاتی ہے کہ خواہشات حیوانی کی سیری سب سے افضل بات ہے لیکن انسان کا فرض ہے کہ وہ جذبات پر قابو حاصل کرے چھوٹا سا بچہ اپنے جسمانی اعضاء پر قابو پانا سیکھتا ہے تو بڑے بڑے لوگوں کو دل کے مچلنے کو روکنے کی مشق کرنی پڑتی ہے۔ ہم لوگ جس بات کو عموماً عادت یا فطرت کے نام سے پکارتے ہیں وہ ہماری کمزوری ہے جس میں دل کو قابو کرنے کی طاقت ہے وہ شخص مناسب موقعہ پر اس کی طاقت کا استعمال بھی کر سکتا ہے۔ محض اپنی کمزوری کو عادت کا نام دے دینا اپنی مزید کمزوری کا مظاہرہ کرنا ہے۔“

☆☆☆☆☆☆☆

آٹھواں باب

تتمہ

اس تذکرہ کو اب ہم ختم کرتے ہیں بیورو نے مالتھوس کے اصولوں کا جو حوالہ دیا ہے۔اس کا جاننا ہمارے لیے نہایت ضروری ہے۔

"چونکہ اس وقت انسان کی تعداد بہت بڑھ رہی ہے لیکن اگر یہ خدشہ ہو کہ کہیں تمام نسل انسانی ختم نہ ہو جائے تو پیدائش اولاد کو روکنا ضروری ماننا پڑے گا۔"

اس اصول کو قائم کر کے مالتھوس نے اس وقت کے لوگوں کو حیران کر دیا تھا اس لیے اس نے تو حواس پر غلبہ پانا ہی لازمی قرار دیا تھا۔لیکن زمانہ حال کا نیا مالتھوسی اصول مجردین کی تعلیم نہ دے کر حواس کی غلامی کے بد نتائج سے بچنے کے لیے مختلف قسم کے آلات اور ادویات کے استعمال کی تعلیم دیتا ہے۔مجردین کے ذریعے مانع حمل کے اصول کو تو بیورو بخوشی تسلیم کرتا ہے لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں وہ آلات اور ادویات کے ذریعے حمل کو روکنے کی سخت مخالفت کرتا ہے۔نیز شخصی آزادی کے نام پر پھیلی ہوئی بدچلنیوں کے خلاف علم احتجاج بلند کرتا ہے۔اور آخر کار وہ اپنے اعتقاد کی انتہا مذہبی نقطہ نگاہ سے کرتا ہے۔

جب بے اصولے پن کو ہی اصول بنا دیا گیا۔تو پھر یہ بڑھتی ہوئی بدچلنی کیسے

روکی جا سکتی ہے جو آزادی میں داخل کر لی گئی ہے اور جب کہ مجرد پن کے صحیح اصولوں کو کمزوری، اندھا دھند اعتقاد اور بے اصولا پن کہا جائے۔ مثلاً مانع حمل کے بہت سے حامی مجرد پن کو غیر ضروری ہی نہیں بلکہ نقصان دہ خیال کرتے ہیں ایسی حالت میں لاعلاج عیاشی کو روکنے کے لیے صرف مذہب کی ہی آڑ لینی پڑتی ہے۔ یہاں مذہب کو کسی خاص تنگ دائرے میں نہیں بند کیا جا سکتا بلکہ ایسے مذہب یا فرائض سے مطلب ہے جو کہ شخصیتوں اور سماج پر یکساں اثر انداز ہو۔ اس میں شک نہیں کہ مذہب کا انسان پر بہت اثر پڑتا ہے۔ مذہبی بیداری کا مطلب انقلاب تغیر اور نئی زندگی کا بخشنا ہے بیوروکی رائے میں فرانس جس تباہ کن راستے پر چل رہا ہے۔ اس سے اسے کوئی مذہبی انقلاب جیسی عظیم طاقت ہی بچا سکتی ہے۔

خیر اس پہلو کو یہاں ہی چھوڑتے ہیں۔ فرانس اور بھارت کی حالت یکساں نہیں ہے ہماری حالت کچھ اور ہے ذرائع مانع حمل کا یہاں گھر گھر میں پرچار نہیں ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ بھی شاید ہی اس موذی مرض کا شکار ہوا ہو۔ میرے خیال میں ہندوستان میں ان ذرائع کے استعمال کے لیے موافق حالات موجود بھی نہیں ہیں۔ درمیانہ طبقے میں افزائش نسل کا دور ہے جہاں تک میرا تجربہ ہے بیواؤں اور کمسن بیویوں کے لیے ہی یہاں ان چیزوں پر زور دیا گیا ہے اس لیے ایک طرف تو ہم غیر واجب اولاد کی پیدائش سے خوف کھاتے ہیں مگر خفیہ طور پر عیاشی کرنے سے نہیں اور دوسری طرف کمسن بیوی کے حاملہ ہو جانے کا ڈر ہے نہ کہ اس کے ساتھ جبر کرنے کا دکھ۔

اب رہے وہ بیمار، کمزور اور چین سے خالی نوجوان جو اپنی یا دوسری عورت پر نظر رکھتے ہیں ۔ اور اسے پاپ مانتے ہوئے بھی اس کے نتائج کو بھگتنے کے لیے تیار نہیں ہیں میں یہ کہنے کی جرات کرتا ہوں کہ اس بھارت کے بیشمار سمجھدار نوجوانوں میں بہت ہی کم ایسے توانا اور تندرست مرد و عورت ملیں گے جو اپنی نفسانی خواہش کو بھی پورا کرنا چاہئیں اور اسکے نتیجے کے طور پر پیدا ہونے والی اولاد کا بھی بوجھ برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں ایسے لوگوں کی مثالیں پیش کر کے کوئی ان لوگوں کے مشن کا پرچار نہ کرے تاکہ رہی سہی نوجوان نسل تباہی کے غار میں نہ گر جائے نہایت تباہ کن طریقہ تعلیم نے قوم کے نوجوانوں کی جسمانی اور روحانی طاقتوں کو ان کے اندر سے جذب کر لیا ہے ہم لوگوں کا جنم اکثر بچپن کے شادی شدہ ماں باپ سے ہی ہوا ہے ۔ حفظان صحت اور تندرستی کے اصولوں کی خلاف ورزی نے ہمارے جسم کو گھن لگا دیا ہے ۔ ناجائز خوراک اور خون میں جوش پیدا کرنے والے چٹ پٹے کھانوں نے ہماری قوت انہضام کو ساکت کر دیا ہے ۔ ہمیں ضرورت اس امر کی نہیں ہے کہ حمل روکنے کے ذرائع کا پرچار کیا جائے ۔ اور یہ بتایا جائے کہ حیوانی جذبات کی سیری کے لیے کیا کیا کرنا چاہیے ۔ بلکہ سب سے زیادہ ضرورت تو ہمیں اس بات کی ہے کہ خواہشات پر ہم کیسے غالب آسکتے ہیں ۔ اس بات کی تعلیم ہمیں درس اور تمثیلات کے ذریعے دیئے جانے کی ضرورت ہے کہ اگر ہمیں جسم اور دماغ کو کمزور کرنا منظور نہیں ہے تو ہمارے لیے کنوارے پن کی پابندی کرنا نہایت ضروری ہے ۔ ہمیں پکار پکار کر یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اپنی قوم کو کافروں کی نسل تبدیل کرنا پسند نہیں کرتے ۔ تو

ہمیں اپنی طاقت کے خزانے کو سنبھالنا چاہیے جو کہ خرچ ہوتا جا رہا ہے۔ کمسنی میں ہونے والی بیواؤں کو یہ بتانا چاہیے کہ چھپ کر پاپ مت کیا کرو بلکہ جرات کر کے باہر آؤ اور سماج سے وہی حقوق تم بھی طلب کرو جو نوجوانوں رنڈوں کو دوبارہ شادی کرنے کے حاصل ہیں ہمیں ایسی رائے عامہ قائم کرنے کی ضرورت ہے کہ جس سے بچپن کی شادی ناممکن ہو جائے ہماری غیر مستقل مزاجی، محنت کشی کی کمی، جسمانی کمزوری ہمارے شاندار ارادوں کی تکمیل اور جرات کا کافور ہونا وغیرہ کمزوریاں ہماری ایک واحد بھول خصوصاً منی کے بے دریغ بہنے کے سبب ہیں۔ مجھے امید ہے کہ نوجوان اس شک میں نہ پڑیں گے کہ جب تک وہ اولاد پیدا کرنے کی ذمہ داری سے بچے رہیں گے۔ تب تک ان کی قوت حیوانی میں کمی نہ آئے گی اور وہ کمزور نہ ہوں گے۔ سچ پوچھو تو پیدائش اولاد کو روکنے کے لیے مصنوعی ذرائع سے کی ہوئی شہوت پرستی اس کی ذمہ داری کو اور بھی زیادہ کر دیتی ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ فعل قدرتی نتائج کو سمجھ کر کیا جائے۔ اور اس طرح طاقت بہت زیادہ خرچ ہوتی ہے۔ اگر ہمارا دل یہ مان لے کہ شہوت پرستی ضروری ہے، بے ضرر، اور گناہ سے مبرا ہے تو پھر ہم اس کی ہمیشہ دلجوئی کرتے رہیں گے اور ہمارے لیے اس پر غلبہ پانا ناممکن ہو جائے گا لیکن اگر ہم اپنے دل میں یہ خیال کر لیں کہ اس کا ساتھ دینے سے ہم گنہگار ہوں گے اور یہ ہمارے لیے ضروری ہے تو ہم بے جا خواہشات پر قابو پا سکیں گے اور ہمیں اس امر کا احساس ہو گا کہ دل پر قابو پا لینا ممکن ہے۔

نئی روشنی اور انسانی آزادی کے بہانے سے مغرب جو آزادی کی شراب ہمارے

پاس بھیج رہا ہے۔اس سے ہمیں احتراز کرنا چاہیے۔لیکن اگر ہم نے اپنے بزرگوں کے تجربات اور ان کی تعلیم کو ہی دل سے فراموش کر دیا۔تو ہمیں مغرب کی اس شاندار اور پر امید شراب حیات کو پینا چاہیے۔جو گاہے بگاہے وہاں کے حکماء کے ذریعے ہمارے لیے چھن چھن کر آیا کرتی ہے۔

چارلی اینڈریونہ نے میرے پاس انسانی طاقتوں کے متعلق مسٹر ولیم لائنس ہیر کا ایک مضمون بھیجا ہے۔جو مارچ 1926ء کے اوپن کورٹ نامی اخبار میں بھی شائع ہوا تھا۔مضمون نہایت مدلل اور سائنٹیفک اصولوں پر مبنی ہے۔اس میں انہوں نے ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک جاندار کے جسم میں دو قسم کی طاقتیں ہمیشہ کام کرتی رہتی ہیں۔ایک جسم کی چوطرفہ نشوونما کرنے والی طاقت اور دوسری بقائے نسل کی طاقت پہلی طاقت پر انسان کی زندگی کا انحصار ہے۔اس لیے یہ طاقت انسان کے لیے مقدم ہے۔بقائے نسل کی طاقت پہلی طاقت کا خزانہ بالکل بھرپور ہو جانے کے بعد ظہور میں آنی چاہیے۔ورنہ انسان موت کی طرف کھنچا چلا جائے گا۔لیکن پہلی طاقت کا خیال نہ کرتے ہوئے مہذب انسان ضرورت سے کہیں زیادہ طاقت خرچ کر دیتے ہیں جس سے پہلی طاقت نامکمل ہو کر جسم ہمیشہ نامکمل رہتا ہے جس کے نتیجے کے طور پر بیماریاں، دکھ اور مختلف قسم کے آلام ہمیں گھیرے رہتے ہیں۔

جسے ہندو مذہب کا ذرا بھی علم ہو گا۔اسے مسٹر ہیر کے اس مضمون کی با آسانی سمجھ آ جائے گی۔برھمن کا عمل کچھ آلاتی نہیں ہے ابتداء میں ذخائر کے ختم ہونے سے برھمن کا جیسا پر حیات عمل ہوتا تھا۔ویسا ہی اب بھی ہوتا ہے یعنی وہ عقل اور

خواہشات پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ خیال کرنا ناممکن ہے کہ زندگی کا کارخانہ بالکل مردہ مشین کی مانند ہوتا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ یہ ماضی کے افسانے ہماری موجودہ حالت سے اتنی دور جا پڑے ہیں کہ وہ انسان یا حیوان کی مرضی کے مطابق معلوم نہیں ہوتے۔ لیکن ایک لمحہ کے بعد ہی ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جس طرح ایک مضبوط جسم والے انسان کی تمام بیرونی کارگزاریوں کی تکمیل اس کی ہوس نفسانی کرتی ہے اور اس کا کام ہی یہی ہے اسی طرح جسم کے بتدریج ہونے والے نظام کے اوپر بھی خواہشات کا کچھ نہ کچھ ضرور قبضہ ہونا چاہیے۔ روحانی عالموں نے اس کا نام غیر ارادی رکھا ہے۔ یہ ہمارے روزمرہ کے حالات سے دور ہوتے ہوئے بھی ہمارا ہی ایک خاص جز ہے۔ یہ اپنے کام میں اتنا بیدار اور ہوشیار رہتا ہے کہ ہمیں کبھی کبھی اپنی ہستی خواب دکھائی دیتی ہے لیکن یہ سوتا ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں۔ جسمانی راحت کے لیے کی ہوئی شہوت پرستی سے ہمارے غیر ارادے اور لافانی جذبہ کو جو نقصان پہنچتا ہے۔ اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ پر خبن کا نتیجہ موت ہے۔ شہوت پرستی جس طرح انسان کے لیے زہر قاتل ہے اسی طرح پر سوت عورت لیے بھی؟

اس لیے مصنف کا خیال ہے کہ خاص احتیاط رکھنے والے یا مکمل کنواروں کے لیے تو انسانیت، سنجیدگی اور صحت وری معمولی باتیں ہیں۔

پر خبن کے لیے ہی اعضائے جسمانی کو پر خبن کے راستے سے ہٹانے سے جسم کی کمی پوری ہونے میں رکاوٹ آتی ہے اور آہستہ آہستہ لیکن بالاخر لازمی طور پر جسم کو نقصان پہنچتا ہے انہی چند جسمانی پہلوؤں پر ہی انسان کی مخصوص شہوت پرستی کا

اصول انحصار رکھتا ہے جس سے اگر ہمیں اس پر قابو پانے کا نہیں تو پرہیز کرنے کا سبق تو ضرور ملتا ہے۔ یا کسی طرح کچھ نہ کچھ کنواروں کے بنیادی اصول کا پتہ تو ضرور چلتا ہے۔

یہ با آسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ مصنف دوا یا آلات کی امداد سے حمل کو روکنے کے خلاف ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس سے ضبط نفس کی وجہ باقی نہیں رہتی اور شادی شدگان کے لیے جب تک کہ بڑھاپے کی کمزوری نہ آجائے یا خواہش کم نہ ہو جائے منی کو تباہ کرتے جانا ممکن ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں گھریلو زندگی کے باہر بھی اس کا اثر ضرور پڑتا ہے اس سے کھلے طور پر عیاشی کرنے کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ یہ بات مسلمہ ساجی قوانین اور نیتی کی رو سے نہایت خوفناک مستقبل لیے ہوئے ہے لیکن یہاں اس پہلو میں زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنا بتانا ہی کافی ہو گا کہ ذرائع مانع حمل سے شادی کی زنجیروں میں بندھ کر یا ان سے آزاد ہو کر مناسب یا غیر مناسب شہوت پرستی میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور علم جسمانی سے تعلق رکھنے والی مذکورہ بالا دلیل اگر سچی ہے تو اس سے مرد اور عورت دونوں کو نقصان پہنچنا ضروری ہے۔

> ''بیورو جن الفاظ کے ساتھ اپنی کتاب کو ختم کرتا ہے اسے ہر ایک ہندوستانی نوجوان کو اپنے لوح دل پر نقش کر لینا چاہیے کہ روشن مستقبل نفس پر قابو پا لینے والے اشخاص کے ہی ہاتھ میں ہے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆

نواں باب

ارتقائے نسل کی روک تھام

میں بہت جھجک کر اور خلاف منشاء اس مضمون کا ذکر کرنے لگا ہوں ہندوستان میں میرے آنے کے وقت سے ہی نامہ نگار میرے سامنے ان مصنوعی طریقوں سے مانع حمل کا سوال اٹھاتے رہے ہیں۔ میں نے انہیں پرائیویٹ جوابات تحریر کیے ہیں لیکن ابھی تک اس سوال کو عوامی سطح پر نہیں اٹھایا گیا۔ اب سے 35 سال پہلے میرا ابھی اس طرف دھیان گیا تھا۔ اس وقت میں انگلینڈ میں پڑھتا تھا۔ اس وقت ایک پرہیز گاری کو چھوڑ کر کسی اور طریقہ کو مانتا ہی نہ تھا اور ایک مانع حمل کے مصنوعی طریقوں کے حامی ڈاکٹر کے درمیان بڑی بحث چل رہی تھی۔ اس کچی عمر میں مانع حمل کے مصنوعی طریقوں کی طرف جھک کر میں اس کا کٹر مخالف ہو گیا تھا۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ کچھ ہندوستانی اخبارات میں یہ مصنوعی طریقے ایسے نفرت آمیز اور فحش طریقہ پر شائع کیے جا رہے ہیں۔ جن سے انسانوں کے اخلاق کو بھاری نقصان پہنچتا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ایک مضمون نویس ان مصنوعی طریقوں کی حمائتوں میں میرا نام بے روک ٹوک لیتا ہے مگر مجھے ایسا ایک بھی موقعہ یاد نہیں جبکہ میں نے ان طریقوں کے حق میں کچھ بھی لکھا ہو یا کہا ہو۔'' میں نے دوسری نامور ہستیوں کے نام بھی ان طریقوں کے حق میں استعمال ہوتے دیکھے ہیں لیکن ان

اشخاص سے پوچھے بغیر ان کا نام شائع کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔‘‘

ارتقائے نسل کی روک تھام کی ضرورت کے متعلق دو آرائیں نہیں ہوسکتیں۔ مدت سے اس کا صرف ایک ہی ڈھنگ رہا ہے اور وہ یہ ہے پرہیزگاری یا مجرد پن یہ ایک مجرب نسخہ ہے۔ جس کے استعمال کرنے والوں کو فائدہ ہی فائدہ ہے اگر ڈاکٹر لوگ مانع حمل کے غیر قدرتی طریقے ایجاد کرنے کی بجائے نفس پر قابو پانے کے طریقے ڈھونڈیں تو دنیا ان کا بڑا احسان مانے گی جماع کا مقصد لطف اٹھانا نہیں بلکہ اولاد پیدا کرنا ہے جب اولاد پیدا کرنے کی ضرورت نہ ہو تو جماع کرنا جرم اور گناہ ہے۔ مصنوعی طریقوں کی حمایت کرنا ایسا ہی ہے جیسے گناہوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔ وہ مرد اور عورت کو لاپرواہ بنا دیتے ہیں۔ ان طریقوں کو جو اہمیت دی جاتی ہے ان کی وجہ سے رائے عامہ کا ہتھیار بہت جلد ہی اٹھ جائے گا مصنوعی طریقوں کے عمل سے کم عقلی اور دماغی کمزوری ہی بڑھے گی بیماری سے بدتر علاج ہی ہو جائے گا۔ اپنے اعمالوں کے نتائج سے بچنے کی کوشش کرنا گناہ اور نیز نا مناسب ہے جو آدمی بہت کھاتا ہے اس کے لیے پیٹ درد ہونا اور پھر روزہ رکھنا ہی اچھا ہے۔ من مانی خوراک کھا کر اور پھر مقوی یا دیگر ادویات کھا کر اس کے نتیجہ سے بچنا واجب نہیں وا پنی حیوانی خواہشات کے پورا کرنے کے بعد ان کے نتیجہ سے بچنا تو اور بھی برا ہے۔ قدرت میں رحم نہیں وہ اپنے اصولوں کو ذرا بھی توڑنے کی جگہ پورا بدلے گی۔ مناسب نتائج مناسب ضبط سے ہی ظہور میں آسکتے ہیں۔ دوسرے سبھی طریقوں سے ان کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ مصنوعی طریقوں کے حمائتی شروع ہی سے یہ

مانتے ہیں کہ زندگی کے لیے عیش وعشرت ضروری نہیں۔ اس سے زیادہ وہم میں ڈالنے والا اور کوئی خیال ہو ہی نہیں سکتا۔ لوگ بال بچوں کی تعداد پر قابو پانا چاہتے ہیں وہ پرانے رشیوں کے نکالے ہوئے مناسب طریقوں کو تلاش کریں اور سوچیں کہ ان کو کیسے رواج دیا جاسکتا ہے۔ ان کے سامنے کام کا بہت وسیع میدان ہے بچپن کی شادیوں سے انسانوں کی تعداد میں دن بدن ترقی ہو رہی ہے۔ ہمارا روزانہ طرز رہائش بھی کثرت افزائش کا ایک خاص سبب ہے اگر ان وجوہات کی تلاش کی جائے تو سوسائٹی کی اخلاقی ترقی ہوگی۔ اگر جلد باز لوگ ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں گے تو مصنوعی طریقوں کا ہی بازار گرم رہے گا اور سوائے اخلاقی گراوٹ کے اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوگا؟

جو سوسائٹی مختلف وجوہات سے خود ہی اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو رہی ہے۔ مصنوعی طریقوں کے استعمال سے وہ اور بھی زیادہ گر جائے گی۔ اس لیے ان لوگوں کو جو بغیر سوچے سمجھے مصنوعی ذرائع کی حمایت کر رہے ہیں۔ چاہیے کہ اس مضمون کا پھر سے مطالعہ کریں اور اپنے تباہ کن خیالات کی اشاعت کو روک کر شادی شدہ وغیرہ شادی شدگان کو مجرد رہنے کی تعلیم دینے کا کام سرانجام دیں کیونکہ کثرت افزائش پر قابو پانے کا یہی ایک واحد اعلیٰ اور سہل طریقہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆

دسواں باب

ضبط یا آزادی

ارتقائے نسل کی روک تھام کے متعلق میں نے جو مضامین لکھے تھے ان کو پڑھ کر کچھ لوگوں نے جیسی کہ امید تھی مصنوعی ذرائع کی حمایت میں مجھے کچھ زبردست خطوط تحریر کیے ہیں ان میں سے صرف تین خطوط میں نے بطور تمثیل چنے ہیں ایک اور خط بھی ہے لیکن اس کا تعلق زیادہ تر مذہبی علم سے ہے۔اس لیے اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ پہلا خط مندرجہ ذیل ہے۔

"میں مانتا ہوں کہ مجرد پن ہی ارتقائے نسل کی روک تھام کا مجرب نسخہ ہے اور اس پر عمل کرنے والے کو اس سے فائدہ بھی پہنچتا ہے لیکن یہ ضبط اور پرہیز گاری کا مضمون ہے ارتقائے نسل کی روک تھام کا نہیں۔اس پر دو طرح سے غور کیا جا سکتا ہے۔ایک ذاتی حیثیت سے اور دوسرے سماج کو مد نظر رکھ کر۔نفسانی خواہشات کو مارنا انسان کا اپنا ذاتی اور نجی فرض ہے۔لیکن اس میں وہ ارتقائے نسل کو روکنے کا خیال نہیں کرتا۔ سادھو آزادی پانے کی غرض سے ایسا کرتا ہے۔ نہ کہ ارتقائے نسل کو روکنے کے خیال سے۔کثرت افزائش کو روکنا تو گھریلو کام ہے۔سوال یہ ہے کہ ایک آدمی کتنے بچوں کی پرورش کر سکتا ہے۔

آپ انسان کی عادت کو جانتے ہی ہیں؟ اولاد کی خواہش پوری ہونے پر کتنے آدمی عیش پرستی کو چھوڑنے کے لیے تیار ہوں گے؟ رضا کاروں کی طرح آپ بھی دائرہ اعتدال میں رہتے ہوئے نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کی اجازت تو دیں گے ہی لیکن اس سے کثرت افزائش کی روک کا مسئلہ حل نہیں ہوگا کیونکہ لائق آبادی نالائق آبادی کی نسبت تیزی سے ترقی کرتی ہے۔''

''خواہش اولاد کو مدنظر رکھ کر کتنے لوگ جماع کرتے ہیں؟ آپ کہتے ہیں کہ خواہش اولاد کے بغیر جماع کرنا پاپ ہے۔ یہ تو آپ جیسے سادھوؤں کے لیے ہی ممکن ہے آپ یہ کہتے ہیں کہ مصنوعی طریقوں کا استعمال برائی بڑھاتا ہے۔ اس سے عورت مرد لاپرواہ اور بے لگام ہو جاتے ہیں اگر یہ سچ ہے تو آپ بڑا بھاری دھبہ لگاتے ہیں۔ کیا کبھی رائے عامہ کے ذریعے بھی جماع اور نفسانی جذبات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کی مرضی سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ جس نے دانت دیئے ہیں۔ وہ دودھ بھی ضرور دے گا۔ دوسرے اولاد ہونا مردانگی کی نشانی سمجھا جاتا ہے کیا دراصل مصنوعی ذرائع کے استعمال سے جسم اور دماغ کمزور ہو جاتے ہیں؟ لیکن آپ تو کسی طرح سے بھی اس کا استعمال کرنے دینا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اپنے کیے ہوئے اعمالوں کے نتائج سے منہ چھپانا اور بھی برا ہے۔ اس میں آپ یہ مان لیتے ہیں کہ ایسی بھوک کو تھوڑا بھی بجھانا اصول کے خلاف ہے۔ اگر خود ضبطی کسی خوف سے کی جائے تو اس کا نتیجہ اخلاقی طور پر اچھا نہ ہوگا۔ بھلا والدین کے گناہوں

کی ذمہ دار اولاد کن قواعد کے ماتحت ہوگی۔ مصنوعی آنکھ، دانت وغیرہ کے استعمال کو کوئی بھی خلاف قدرت قرار نہیں دیتا۔ خلاف قدرت وہی بات ہے جس سے ہماری بھلائی نہیں ہوتی۔ میں اس بات کو نہیں مانتا کہ انسان فطرتاً ہی برا ہوتا ہے۔ اور ان کے مروج ہونے سے وہ اور بھی برا ہو جائے گا۔ آج کل پاپ کچھ کم نہیں ہو رہا ہے۔ اور ہندوستان بھی اس سے بچا ہوا نہیں ہے عقلمندی تو اس میں ہے کہ ہم نئی طاقت پر قبضہ پائیں نہ کہ اس سے ڈر کر بھاگ جائیں اگر کچھ قابل کارکناں اس کا پرچار کرنا چاہتے ہیں تو بدمعاشی اور بدچلنی کے پرچار کے لیے نہیں بلکہ لوگوں میں ضبط اور مجرد پن کی عادت پیدا کرنے میں مدد دینے کے خیال سے ایسا کرتے ہیں ہمیں عورتوں کو بھول نہیں جانا چاہیے ان کی ضروریات پر ہم نے بہت مدت تک دھیان نہیں دیا ہے وہ اولاد پیدا کرنے کے لیے آدمی کو کھیت کی طرح اپنا جسم استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتیں۔''

میں یہ بات پہلے ہی صاف کیے دیتا ہوں کہ وہ مضمون میں نے نہ سادھوؤں کے لیے اور نہ سادھو کی حیثیت سے ہی لکھا تھا۔ موجودہ رواج کے مطابق میں سادھو ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتا۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے آج تک کے اپنے لگاتار ذاتی تجربات کی بنا پر لکھا ہے اور ان چوبیس سال کے دوران میں مجھ سے شاذ و نادر ہی اس اصول کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ میرے ان دوستوں کا تجربہ بھی اس میں شامل ہے جنھوں نے اتنے سالوں تک میرا ساتھ دیا ہے۔ ان کے تجربات سے بھی کچھ نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ مندرجہ بالا مشق میں کیا جوان کیا بوڑھے

سب طرح کے عورت مرد شامل ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ مشق کسی حد تک تو سائنسی خیال سے بھی ٹھیک تھی اگرچہ اس کی بنیاد خاص اخلاق پر رکھی گئی تھی تو بھی اس کی ابتداء کثرت افزائش کو روکنے کے خیال سے ہوئی تھی۔ اس مشق کے لیے میری ذات ہی ایک بہتر مثال ہے۔ بعد ازاں قدرتی طور پر اس سے نہایت اعلیٰ اخلاقی نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر عقل اور غور سے کام لیا جائے تو بغیر کسی خاص مشکل کے ضبط اور کنوار پن کی پابندی کرنا عین ممکن ہے۔ یہ صرف میرا ہی دعویٰ نہیں ہے بلکہ جرمن اور دیگر قدرتی علاج کرنے والے ڈاکٹروں کی بھی یہی رائے ہے ان کا تو یقین ہے کہ پانی اور مٹی کے استعمال سے اعصاب سکڑ جاتے ہیں پھلوں اور سادہ غذا سے بھی قابو میں رہتے ہیں۔ سادھوؤں کا کہنا ہے کہ صرف مناسب طریقہ سے پرانا کام کرنے سے بھی یہی فائدہ پہنچتا ہے۔ مشرقی اور مغربی پرانے طریقے صرف سادھوؤں کے لیے نہیں برخلاف اس کے وہ خاص طور پر گرہستیوں کے لیے ہی نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ مصنوعی ذرائع کی اس لیے ضرورت ہے کہ بڑھتی ہوئی آبادی روکی جا سکے۔ تو اس سے مجھے اتفاق نہیں۔ یہ بات ابھی تک پایہ ثبوت تک ہی نہیں پہنچی۔ میری رائے میں تو اگر تقسیم زمین کا مناسب انتظام کر دیا جائے۔ کاشت کے طریقوں میں ترمیم کی جائے۔ اور ایک امدادی پیشہ کا انتظام کر دیا جائے۔ تو ہمارا یہ **ملک** موجودہ آبادی سے دو چند آبادی کی آج بھی پرورش کر سکتا ہے۔ میں نے تو بالکل الگ یہاں کی سیاسی حالت کو مدنظر رکھ کر ارتقائے نسل کو روکنے والوں کا ساتھ دیا ہے۔

میں یہ بات ضروری کہتا ہوں کہ اولاد کی خواہش پوری ہونے کے بعد انسان کو شہوت پرستی سے دور رہنا ہوگا۔ ضبط اور مجرد پن کے ایسے موثر طریقہ نکالے جا سکتے ہیں۔ جو لوگوں کو پسند ہوں۔ تعلیم یافتہ اصحاب نے کبھی ان کا امتحان ہی نہیں کیا۔

خاندان مشترکہ کی رسم کی مہربانی سے لوگوں کو بھی اس کا بوجھ محسوس ہی نہیں ہوا ہے۔ اور جنہوں نے محسوس کیا ہے۔ انہوں نے اس کے اخلاقی پہلوؤں پر غور ہی نہیں کیا۔ مجرد پن پر کچھ ادھر ادھر کی تقریروں کے علاوہ کثرت افزائش کو روکنے کے مقصد سے ضبط اور پرہیزگاری کی تشہیر کے لیے کوئی منتظم کوشش کی ہی نہیں گئی۔ بلکہ ابھی تک یہی وہم پھیلا ہوا ہے کہ بڑا کنبہ ہونا خوش قسمتی کی علامت ہے۔ اس لیے اس کی خواہش کرنا بجا ہے۔ مذہبی رہبر عوام الناس کو یہ درس نہیں دیتے کہ بوقت ضرورت کثرت افزائش کو روکنا بھی ویسا ہی فرض ہو سکتا ہے جیسا کہ ارتقائے نسل۔

مجھے خوف ہے کہ مصنوعی طریقوں کے حمایتی نفسانی خواہشات کو پورا کرنا ضروری امر خیال کرتے ہیں۔ اس لیے قدرتی طور پر یہ ضرورت کی چیز ہے مستورات کی حالت اور بھی قابل رحم ہے میرے خیال میں تو کثرت افزائش کو روکنے کے لیے مصنوعی ذرائع مستورات کے سامنے پیش کرنا ان کی بے حرمتی کرنا ہے ایک تو انسانوں نے اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے انہیں چاہ ذلالت میں پہلے ہی گرا رکھا ہے۔ اب مصنوعی ذرائع کے حمایتیوں کے مقصد چاہے کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ لیکن وہ ان کو ضرور ہی اور بھی گرائیں گے۔ ہاں میں جانتا ہوں کہ آج کل کچھ ایسی عورتیں بھی ہیں جو خود بخود ان طریقوں کی حمایت کرتی

ہیں لیکن بلا شک مستورات کی بہت بڑی تعداد ان طریقوں کو اپنی خودداری کے خلاف سمجھ کر ان کو حقارت کی نظر سے دیکھے گی۔ اگر انسان واقعی مستورات کی بھلائی چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ خود ہی اپنے جذبات پر قابو پائیں عورتیں آدمیوں کو مجبور نہیں کرتیں۔ آدمی ہی زیادتی کرتے ہیں اس لیے وہی اصل مجرم اور قصوروار ہے۔

میں مصنوعی طریقوں کے حامیوں سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ ان کے نتائج پر ضرور دھیان دیں۔ ان طریقوں کے کثرت استعمال کے نتائج شادی کے پاکیزہ رشتہ کو توڑ کر من مانے عشقیہ تعلقات کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ اگر کوئی پوچھے کہ وہ آدمی جو اپنے جذبات نفسانی پر کسی طرح قابو رکھ ہی نہ سکے۔ تو وہ کیا کرے؟ تو اس کا جواب بڑا آسان ہے مان لو کہ وہ بہت دنوں سے اپنے گھر سے دور ہے یا بتہ دنوں سے جنگ میں کام کر رہا ہے یا وہ بیمار ہے۔ یا اس کی بیوی ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ مصنوعی ذرائع کے استعمال کے باوجود اس کی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے نا قابل ہے۔ تو ایسی حالت میں وہ جو کچھ کرے گا؟ وہی اس وقت بھی کرنا چاہیے۔

لیکن دوسرا نامہ نگار لکھتا ہے:

"ارتقائے نسل کی روک تھام کے متعلق جو مضامین آپ نے لکھے ہیں آپ ان مصنوعی ذرائع کو بالکل نقصان دہ ثابت کرتے ہیں لیکن آپ جس بات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اس کو پہلے ہی ثابت شدہ مان لیتے ہیں۔"

کانفرنس متعلقہ ارتقائے نسل کی روک تھام (لندن 1922ء) میں تین ووٹوں کی مخالفت اور 164 ووٹوں کی مطابقت سے یہ مان لیا گیا تھا کہ مانع حمل کے طریقے صحت افزا ہیں۔ اخلاق، انصاف اور جسمانی صحت کے نکتہ نظر سے طریق اسقاط بالکل مختلف ہے اور یہ بات کسی بھی دلیل سے ثابت نہیں ہوئی کہ ایسے اچھے طریقے صحت کے لیے نقصان دہ یا بانجھ پن پیدا کرنے والے ہیں میرے خیال میں اتنے آدمیوں کی رائے قلم کی ایک ہی نوک سے رد نہیں کی جا سکتی۔ آپ لکھتے ہیں کہ مصنوعی ذرائع کے استعمال سے جسم اور دماغ کمزور ہو جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جائز طریقوں کا استعمال کرنے سے کمزوری نہیں آتی۔ ہاں ناجائز اور نقصان دہ طریقوں کے استعمال سے ضرور کمزوری آتی ہے۔ اور اس لیے پختہ عمر والے لوگوں کو ایسے جائز طریقے سکھانے ضروری ہیں۔ ضبط کے لیے آپ کے طریقے بھی تو مصنوعی ہی ہوں گے؟ آپ کہتے ہیں کہ جماع کرنا لطف اور عیش پرستی کے لیے نہیں بنایا گیا ہے۔

کس نے نہیں بنایا ہے؟ کیا خدا نے؟ تو پھر اس نے جماع کرنے کی خواہش پیدا ہی کیوں کی؟ یہ قدرت کا اصول ہی ہے کہ اعمال کا پھل ضرور بھوگتا پڑتا ہے۔ لیکن جب تک آپ یہ ثابت نہیں کرتے کہ مصنوعی ذرائع نقصان دہ نہیں آپ کی یہ دلیل بالکل بے معنی ہے۔ اعمال کے اچھا یا برا ہونے کی پہچان ان کے نتائج سے ہوتی ہے۔ مجردین کے فوائد بہت بڑھا کر بیان کئے گئے ہیں بہت سے ڈاکٹر بائیس سال یا کچھ ایسی ہی عمر کے بعد جماع نہ کرنے کو نقصان دہ مانتے ہیں۔ یہ آپ کی

مذہبی ضد کا نتیجہ ہے کہ آپ بغیر خواہش اولاد کے جماع کو گناہ خیال کرتے ہیں اس طرح سے آپ سب پر گنہگار ہونے کا دھبہ لگاتے ہیں۔لیکن علم طب آپ کے اس خیال سے متفق نہیں۔اب وہ دن ہوا ہو گئے۔جبکہ ایسی دلیلیں کچھ وزن رکھتی تھیں۔ آجکل سائنس کے سامنے ایسی بوسیدہ دلائل کو کون سنتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نامہ نگار صاحب دیدہ دانستہ اپنے شکوک کو رفع کرنا نہیں چاہتے میں نے یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تمثیلات دی تھیں کہ اگر ہم شادی کے پاکیزہ رشتہ کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو بجائے عیش پرستی کے ضبط اور مجردین ہی زندگی کا مقصد سمجھنا چاہیے۔جو بات ثابت کرنی ہے اس کو میں نے ثابت شدہ نہیں مان لیا ہے کیونکہ میں تو کہتا ہوں کہ مصنوعی ذرائع چاہے کتنے ہی مناسب کیوں نہ ہوں پھر بھی وہ نقصان دہ ہیں۔چاہے وہ بذات خود نقصان دہ نہ ہوں۔لیکن وہ اس پہلو سے ضرور نقصان دہ ہیں کہ ان کے ذریعے خواہشات نفسانی بجائے کم ہونے کے بڑھتی ہیں۔کیونکہ جیسے جیسے ان کا استعمال کیا جاتا ہے ویسے ہی ویسے وہ زور پکڑتی جاتی ہیں جس کو یہ کامل یقین ہو کہ جماع و عیش پرستی نہ صرف جائز بلکہ ضروری چیز بھی ہے وہ سدا عیش پرستی میں ڈوبا رہے گا اور آخر کار اس قدر کمزور ہو جائے گا کہ اس کی قوت ارادی بالکل ضائع ہو جائے گی ہر عورت و مرد کا فرض ہے کہ وہ قوت جسمانی کے ذریعے اپنے دل و روح کو مضبوط بنا کر رکھے اس سے پہلے میں نے لفظ ''روح'' کو اس بحث سے بالکل الگ رکھا تھا مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نامہ نگار صاحب کو اس کی ہستی میں شک ہے اس لیے میں اس بحث میں صرف ان کی دلائل کا ہی

جواب دوں گا۔ اول تو ہندوستان میں پہلے ہی شادی شدگان کی تعداد زیادہ ہے۔ دوسرے اس ملک میں نامردی بہت بڑھ گئی ہے۔ اس لیے اور وجوہات کی بناء پر نہ سہی کم از کم ملک کی قوت مردی کو لوٹانے کے لیے تو بجائے مصنوعی طریقوں سے خواہشات نفسانی کی سیری کے مکمل ضبط اور مجرد پن کی تعلیم کی ہی ضرورت ہے۔ ہمارے اخبارات پر نظر ڈالیے گندی اور بیہودہ ادویات کے اشتہار ان کی شان کو کم کر رہے ہیں۔ مصنوعی ذرائع کے حامی ان کو اپنے لیے تنبیہہ یا خطرے کی گھنٹی خیال کریں مجھے افسوس ہے کہ شرم و حیا بھی مجھے ان باتوں کا ذکر کرنے سے نہ روک سکی میں جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ اس لیے کہ لوگ ضبط اور مجرد پن کا احساس کریں۔ کیونکہ ملک کے کمزور اور نامرد نوجوان عیش پرستی کے حق میں پیش کردہ دلائل کے شکار بڑی آسانی سے بن جاتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ اب اس بات کی ضرورت ہی نہیں رہی کہ میں نامہ نگار صاحب کی پیش کردہ ڈاکٹروں کی رائے کا جواب دوں۔ میرے مضمون سے ان کا کوئی تعلق نہیں میں اس بات کی نہ تو تائید ہی کرتا ہوں نہ تردید کہ مصنوعی ذرائع کے استعمال سے اعضاء کو نقصان پہنچتا ہے۔ یا بانجھ پن پیدا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر لوگ چاہے دلائل کے کتنے ہی مضبوط قلعے تعمیر کر لیں لیکن ان کے ذریعے ان سینکڑوں نوجوان کی زندگی لوٹ کر نہیں آسکتی جو دوسروں کی عورتوں کے ساتھ یا اپنی ہی عورت کے ساتھ کثرت جماع سے برباد ہو چکی ہے جس کا مجھے ذاتی تجربہ ہے۔

نامہ نگار صاحب نے جو مصنوعی دانت وغیرہ کی مثال دی ہے درست معلوم نہیں

دیتی۔ یہ بات درست ہے کہ مصنوعی دانت واقعی نقلی اور غیر قدرتی ہوتے ہیں لیکن ان سے کم از کم ایک ضرورت تو پوری ہو ہی سکتی ہے برخلاف اس کے خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لیے مصنوعی ذرائع کا استعمال اس خوراک کی مانند ہے جو بھوک دور کرنے کے لیے نہیں بلکہ زبان کا لطف اٹھانے کے لیے کھائی جاتی ہے جیسے کہ خواہشات نفسانی کی سیری کے لیے جماع کرنا۔

اس آخری قسط میں ایک نئی بات تحریر ہے۔

''یہ سوال دنیا کی ہر ایک قوم کو فکر میں ڈالے ہوئے ہے۔ آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ جاپان نے اس کی تشہیر کی عام اجازت دے دی ہے اس کی وجہ سب کو معلوم ہی ہے ان کو کثرت افزائش کو روکنے کی ضرورت تھی اور اس کے لیے انسانی جذبات کا خیال رکھنا بھی ان کے لیے ضروری ہے۔ ان کا نسخہ نصیحت تو ہو سکتا ہے۔ لیکن کیا وہ قابل عمل بھی ہے؟ بہت تھوڑے لوگ مجرد پن کی پابندی کر سکتے ہیں لیکن کیا عوام الناس میں اس کے متعلق ہلچل پیدا کرنے سے کوئی مفید مطلب حل ہو سکتا ہے؟ ہندوستان میں تو اس کے لیے مذہبی ہلچل یا منظم کوشش کی ضرورت ہے۔''

مجھے امریکہ اور جاپان کی ان باتوں کا پتہ نہ تھا۔ معلوم نہیں جاپانی کیوں مصنوعی ذرائع کا حامی ہو رہا ہے۔ اگر نامہ نگار کا بیان درست ہے اور اگر واقعی جاپان میں مصنوعی ذرائع کا رواج عام ہو گیا ہے تو میں بلا خوف کہہ سکتا ہوں کہ یہ قابل قوم

اخلاقی موت کے منہ میں دوڑی جا رہی ہے۔

ممکن ہے کہ میرا عقیدہ بالکل درست نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو نتائج میں نے نکالے ہیں ان کی بنیاد غلط اصولوں پر ہو۔ لیکن مصنوعی ذرائع کے حمائتیوں کو چاہیے کہ صبر و استقلال سے کام لیں۔ موجودہ واقعات کے علاوہ ان کے پاس کوئی مصالحہ یا ثبوت نہیں۔ یقیناً ایک ایسے عمل کے متعلق جو سرسری نظر ڈالنے سے ہی نفرت آمیز اور فحش معلوم دیتا ہو آخری فیصلہ دینا اور پیشین گوئی کرنا عقلمندی میں داخل نہیں۔ اس جلد بازی کا نتیجہ ضرور برا نکلے گا۔ نوجوانی کے ساتھ کھیلنا تو آسان ہے لیکن اس کے بدنتائج کو مٹانا ٹیڑھی کھیر ہو گا۔

☆☆☆☆☆

گیارہواں باب

مجرد پن

مجرد پن اور اس کی پابندی کے طریقوں کے متعلق میرے پاس خطوط کا تانتا بندھ رہا ہے۔ دوسرے موقعوں پر میں جو کچھ کہہ چکا ہوں یا لکھ چکا ہوں اسے ہی یہاں دوسرے لفظوں میں کہنے کی کوشش کروں گا۔ مجرد پن کا مطلب صرف اپنے جسم پر ہی قابو پانا نہیں بلکہ اپنے تمام حواسوں پر مکمل قابو پانا ہے اور قول فعل اور عمل سے جذبات نفسانی سے نجات حاصل کرنا ہے۔ روشن ضمیری اور حصول خدا کا بھی یہی آسان اور سچا راستہ ہے۔

مثالی مجرد کو خواہش اولاد اور خواہشات نفسانی سے پیدا شدہ مصائب کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ یہ کبھی اسے ستاتی ہی نہیں۔ یہ وسیع جہان ہی اس کا خاندان ہوگا۔ بنی نوع انسان کی تکالیف کو دور کرنے ہی میں وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کا خیال کرے گا۔ اور خواہش اولاد سے نہایت معمولی بات معلوم دے گی۔ جسے بنی نوع انسان کے مصائب کا احساس ہوگیا ہے اس کے دل میں خواہشات نفسانی کبھی پیدا ہی نہیں ہوسکتیں۔ اسے اپنی اندرونی طاقت کے خزانہ کا خودبخود پتہ لگ جائے گا اور پھر اسے پاک اور محفوظ رکھنے کے لیے وہ لگاتار کوشش کرتا رہے گا وہ اس خاص اور لاثانی طاقت کے باعث دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور وہ بادشاہ سے بھی

بڑھ کر اپنا رتبہ اور رسوخ حاصل کرے گا۔

لیکن جب میں ان خیالات کا اظہار کرتا ہوں تو مجھ سے کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں ایسی مثال قائم کرنا ناممکن ہے۔ آپ تو بیوی اور خاوند کی قدرتی کشش کا خیال ہی نہیں کرتے۔ یہاں جس عیاشی سے لبریز کشش کی طرف اشارہ ہے۔ میں اسے قدرتی ماننے سے ہی انکار کرتا ہوں۔ اگر یہ قدرتی ہے تو بہت جلد قیامت آیا چاہتی ہے۔ خاوند اور بیوی کے درمیان جو قدرتی تعلق ہے۔ وہ وہی ہے اور جو بھائی اور بہن میں، ماں اور بیٹے میں، اور باپ اور بیٹی میں ہوتا ہے۔ اسی قدرتی کشش کے سہارے دنیا ٹھہری ہوئی ہے۔ اگر میں تمام مستورات کو ماں، بہن، یا بیٹی نہ مانوں۔ تو اپنے فرض کی ادائیگی تو کجا میں زندہ بھی نہ رہ سکوں گا۔ اگر میں نظر بد سے ان کو دیکھوں تو میرے لیے دوزخ کا اس سے سیدھا اور سچا راستہ اور کون سا ہو گا۔

اولاد پیدا کرنا قدرتی فرض ضرور ہے لیکن ایک خاص اصول کے پابند رہتے ہوئے۔ اس اصول کو توڑنے سے حیات نسواں خطرے میں پڑ جائے گی اور بحیثیت مجموعی سماج کی طاقت مردی ضائع ہو جائے گی۔ امراض بڑھ جاتے ہیں۔ گناہ ترقی کرتے ہیں۔ اور دنیا گناہوں کا گھر بن جاتی ہے۔ خواہشات نفسانی میں پھنسا ہوا آدمی شتر بے مہار کی طرح ہوتا ہے۔ اور اگر ایسا آدمی قوم رہبر ہو۔ اور وہ اپنے خیالات سوسائٹی میں بھی بھر دے اور عوام اس کی تقلید شروع کر دیں تو پھر سماج کہاں رہے گا؟ اس کے باوجود آج ایسا ہی ہو رہا ہے۔ فرض کرو کہ شمع کے گرد چکر کاٹنے والا پروانہ اپنے لمحہ بھر کے لطف کو بیان کرے۔ اور ہم اس کو ایک مثال مان کر اس کی نقل

کرنا شروع کر دیں تو ہمارا ٹھکانا کہاں رہے گا؟ اس لیے مجھے پر زور الفاظ میں کہنا ہی پڑے گا کہ خاوند اور بیوی کے درمیان عیاشی سے لبریز کشش غیر قدرتی اور نا مناسب ہے۔ شادی کا مقصد خاوند اور بیوی کے خیالات فاسد کو نکال کر انہیں خدا کے نزدیک لے جانا ہے۔ انسان حیوان نہیں بیشمار حیوات کے اجسام میں جنم لینے کے بعد اس کو یہ درجہ حاصل ہوا ہے۔ اس کی پیدائش دنیا میں اونچا سر کر کے چلنے کے لیے ہوئی ہے۔ لاٹھی کے سہارے یا گھٹنوں کے بل چلنے کے لیے نہیں ہوئی۔ مردانگی سے حیوانیت اتنی ہی دور ہے جتنی روح سے جسم۔

آگے چل کر اس کے حاصل کرنے کے ذرائع مختصر طور پر بیان کروں گا۔ پہلے اس ضرورت کو سمجھنا ضروری ہے۔

دوسرا کام حواس پر آہستہ آہستہ قابو پانا ہے مجرد کو زبان پر قابو پانا ہی ہوگا۔ وہ زندگی قائم رکھنے کے لیے ہی کھا سکے گا زبان کے ذائقہ کے لیے نہیں۔ اسے صرف پاک اشیاء کی طرف ہی ہوگا اور ناپاک چیزوں کی طرف سے آنکھیں بند کرنی ہوں گی۔ راستہ چلتے وقت ادھر ادھر تاکتے ہوئے نہیں بلکہ نیچی نظر کر کے چلنا ہی شرافت کی نشانی ہے۔ اسی طرح مجرد کوئی فحش اور گندی بات نہیں سنے گا۔ اور کوئی اور جذبات نفسانی کو حرکت دینے والی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ پاک اور صاف مٹی کی خوشبو بناوٹی عطروں اور خوشبویات سے بدرجہا بہتر ہے۔ جو لوگ کنوارے پن کی پابندیاں کرنا چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ جب تک وہ جاگے اپنے ہاتھ پاؤں سے کوئی نہ کوئی نیک کام کرتے رہیں۔ کبھی کبھی روزہ بھی رکھا کریں۔

تیسرا کام ہے نیک شریف اور بے داغ دوستوں اور پاکیزہ کتب کا رکھنا۔ آخری کام اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے جتنا کہ دوسرے۔

یعنی دعا، کنوارے کو چاہیے کہ وہ ہر روز اپنے دل کو یکسو کر کے ''رام نام'' کا ورد کے اکرے اور خدا کی مدد کا طلبگار رہے۔ عام مردوں یا عورتوں کے لیے اس میں کوئی بھی مشکل بات نہیں لیکن اس کی سادگی سے ہی لوگ گھبراتے ہیں۔ جہاں چاہ ہے وہاں راہ بھی آسانی سے مل جائے گی۔ لوگوں کو اس کی چاہ نہیں ہوتی اور اسی لیے وہ فضول ٹھوکریں کھاتے ہیں اس بات سے کہ دنیا کا کچھ نہ کچھ سہارا اسی بات پر ہے کہ لوگ ضبط اور کنوارپن کی پابندی کرتے ہیں یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ ضروری اور ممکن چیز ہے۔

☆☆☆☆☆☆

بارھواں باب

سچائی اور مجرد پن

ایک دوست نے مہادیو ڈیسائی کو لکھا ہے:

"آپ کو یاد ہو گا کہ رسالہ نوجیون میں گاندھی جی نے ایک مضمون میں جس کا کہ آپ نے اخبار ینگ انڈیا کے لیے ترجمہ کیا تھا اقرار کیا تھا کہ انہیں اب بھی کبھی کبھی احتلام ہو جایا کرتا ہے۔ اسے پڑھتے ہی فوراً مجھے خیال آیا کہ ایسے مضامین سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ میرا یہ خیال بلا وجہ نہیں تھا۔"

ولایت میں قیام کے دوران میں جب کہ چاروں طرف سے ہم کو نفسانی جذبات کے محرک نظاروں نے گھیر رکھا تھا۔ میں نے اور میرے دوستوں نے اپنے چال چلن کو بالکل بے داغ رکھا۔ عورت شراب اور گوشت سے ہم بالکل بچے رہے۔ لیکن گاندھی جی کے مضمون کو پڑھ کر ایک دوست نے کہا کہا گر گاندھی جی کی ایسی زبردست کوشش کے باوجود بھی ان کی یہ حالت ہے تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں۔ مجرد پن کی پابندی کا خیال بالکل فضول ہے۔ گاندھی کے اقبال بیان نے میرا زاویہ نگاہ بالکل تبدیل کر دیا ہے آج سے تم مجھے کیا گزرا سمجھ لو' ڈرتے ڈرتے میں نے اس کے ساتھ اس مضمون پر کچھ بحث شروع کرنے کی کوشش کی جیسی دلائل آپ سے

گاندھی جی دیا کرتے ہیں ویسی ہی میں نے بھی دیں اگر یہ راستہ گاندھی جی جیسے آدمی کے لیے بھی اتنا مشکل ہے تو ہمارے تمہارے لیے تو ضرور اور بھی زیادہ مشکل ہونا چاہیے اس لیے ہم کو وہ چند کوشش سے کام لینا چاہیے۔لیکن آج تک جس بھائی کا چال چلن بالکل بے داغ رہا تھا۔اس میں فضول ہی داغ پڑ گئے۔اگر اس گراوٹ کے لیے کوئی گاندھی جی کو ذمہ دار گردانے تو وہ یا آپ اس کا کیا جواب دیں گے۔''

جب تک میرے پاس صرف ایک ہی مثال تھی اس وقت تک میں نے آپ کو خط تحریر نہیں کیا۔شاید آپ مجھے یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ یہ بالکل بے بنیاد بات ہے مگر ایسی کئی ایک مثالیں مجھے ملیں اور میرا شک یقین کی صورت اختیار کرتا گیا۔

''میں جانتا ہوں کہ کچھ ایسے کام نہیں جن کا کرنا گاندھی جی کے لیے آسان ہو لیکن میرے لیے ناممکن ہو۔لیکن خدا کی مہربانی سے میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ کچھ کام جو ایسے ہو سکتے ہیں جو میرے لیے ممکن اور ان کے لیے ناممکن ہوں اسی خیال اور خودداری نے مجھے اب تک گرنے سے بچایا ہے اگرچہ مندرجہ بالا گاندھی جی کے اقبالی بیان سے میرا جذبہ بے خوفی لغزش کھا گیا ہے۔''

کیا آپ گاندھی جی کا دھیان اس طرف دلائیں گے؟ اور خاص کر اس صورت میں جبکہ وہ اپنی سوانح عمری قلمبند کر رہے ہیں۔سچائی اور برہنہ سچائی کا اظہار کرنا بلا شبہ دلیری کا کام ہے لیکن ایسا کرنے سے نوجیون اور ینگ انڈیا کے ناظرین کے وہم میں پڑنے کا خطرہ ہے مجھے خوف ہے کہ ایک کے لیے جو دوا آب حیات کا کام کرتی ہو۔کہیں وہی دوسرے کے لیے زہر قاتل نہ بن جائے۔

مجھے اس بیان سے کچھ حیرت نہیں ہوئی جبکہ عدم تعاون کی تحریک زوروں پر تھی اس وقت میں نے اپنی ایک غلطی تسلیم کر لی تھی۔ اس پر ایک دوست نے مجھے لکھا تھا کہ اگر یہ غلطی بھی تھی تو بھی آپ کو اسے غلطی تسلیم نہیں کر لینا چاہیے تھا۔ لوگوں میں ایسا اعتقاد بڑھانا چاہیے کہ کم از کم ایک تو ایسا آدمی ہے جو کبھی غلطی نہیں کرتا۔ اور آپ کو لوگ ایسا ہی سمجھتے تھے آپ کی غلطی تسلیم کرنے سے ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔ اس پر مجھے ہنسی بھی آئی اور افسوس بھی ہوا خط تحریر کرنے والے کی سادگی پر مجھے ہنسی آئی لیکن میں اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ لوگوں کو یہ یقین دلایا جائے کہ ایک نامکمل اور غلطی کھانے والا انسان مکمل اور غلطی سے مبرا ہے۔

انسان کی اصلی حقیقت کی واقفیت سے لوگوں کو ہمیشہ فائدہ ہی ہوتا ہے نقصان کبھی نہیں ہوتا میرا کامل یقین ہے کہ میری غلطی تسلیم کرنا ان کے لئے فائدہ مند ثابت ہوا ہے اور کم از کم میرے لیے تو نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔

یہی اصول میرے گندے خوابوں پر عائد ہوتا ہے اگر میں مکمل مجرد ہوئے بغیر اس کا دعویٰ کروں تو ایسا کرنے سے میں دنیا کو بڑا نقصان پہنچاؤں گا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے مجرد پن میں داغ لگے گا اور آفتاب صداقت پر جھوٹ کے بادل چھا جائیں گے۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ میں جھوٹے بہانے بنا کر مجرد پن کی قدر و منزلت کو کم کر سکوں میں دیکھ رہا ہوں کہ کنوارے پن کی پابندی کے جو طریقے میں بتلاتا ہوں وہ پورے نہیں اترتے۔ اور سب لوگ ان سے یکساں طور پر فیض یاب نہیں ہو سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں خود ہی مکمل مجرد نہیں ہوں جبکہ میں مجرد پن کا

سچا راستہ لوگوں کو نہیں دکھا سکتا تو میرے متعلق یہ یقین کرنا کہ میں مکمل مجرد ہوں دنیا کے لیے بڑا خطرناک ثابت ہوگا۔

میرے متعلق لوگوں کو اتنی واقفیت کافی ہوگی کہ میں حقیقی متلاشی ہوں مکمل بیدار ہوں اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے لگاتار کوشاں رہتا ہوں اور رکاوٹوں اور مشکلات سے نہیں ڈرتا۔ دوسروں کی حوصلہ افزائی کے لیے اتنا ہی کافی ہے چھوٹے تجربے کامیاب ہو چکے ہیں انہی سے نتائج نکالنا غلطی ہے جو تجربے کامیاب ہو چکے ہیں انہی سے نتائج نکالنا درست ہے ایسی فضول دلیل کیوں دی جاتی ہے کہ اگر میرے جیسے انسان گندے خیالات سے نہ بچ سکا تو دوسرے کے لیے کوئی امید ہی نہیں یہ خیال کیوں کیا جاتا ہے کہ اگر میرے جیسا انسان جو کسی خواہشات نفسانی کا مکمل غلام تھا۔ آج اپنی بیوی کے ساتھ بھائی اور دوست جیسا رشتہ قائم کرسکتا ہے اور وہ دوسروں کی عورتوں کو ماں اور بہن کی مانند خیال کرسکتا ہے تو نیچ سے نیچ اور گرے سے گرے اگر خدا نے میرے جیسے گناہوں سے لبریز آدمی پر اتنی مہربانی دکھلائی ہے تو یقیناً دوسروں پر بھی مہربانی کرے گا۔

خط تحریر کنندہ کے جو احباب میری غلطیوں کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے ہیں وہ کبھی آگے بڑھے ہی نہیں تھے۔ اس کو لوگ جھوٹا ہی ڈھونگ کہیں گے جس کی پہلے ہی دھکے میں قلعی کھل گئی۔ صداقت، مجردین اور دیگر سچائیوں کا انحصار میرے جیسے نا مکمل انسان پر نہیں ہے ان کا انحصار ان لوگوں کے اعمال پر ہے جنہوں نے ریاضت کی زندگی بسر کی ان کو حاصل کرنے کے لیے لگاتار کوشش کی اور ان کی پابندی کی

ایسے مکمل انسانوں کی برابری کرنے کے جب میں قابل ہو جاؤں گا تب آج کی نسبت میری زبان زیادہ پر تاثیر اور موثر ہو جائے گی۔ دراصل تندرست آدمی اسی کو کہیں گے جس کے خیالات منتشر نہیں جس کے دل میں برے خیالات پیدا نہیں ہوتے جس کی نیند خوابوں سے خراب نہیں ہوتی اور جو سوتا ہوا بھی مکمل بیداری کی حالت میں رہتا ہو۔ اسے کونین کھانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے پاک خون میں ہی سب خرابیوں کو دبا دینے کی حقیقی طاقت موجود ہو گی۔ جسم، دل اور روح کو ایسی ہی تندرست حالت کو میں حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس میں شکست پانا کامیابی نہیں ہو سکتی خط تحریر کنندہ ان کے وہی دوستوں اور دوسروں کو میں اپنے ہمراہ چلنے کی دعوت دیتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ خط تحریر کنندہ کی طرح وہ مجھ سے زیادہ تیزی سے آگے بڑھ چلیں۔ اور جو مجھ سے پیچھے پڑے ہیں۔ میری مثال سے ان میں حوصلہ پیدا ہو جو کچھ میں نے حاصل کیا ہے وہ لاکھ کمزوریاں رکھتے ہوئے اور خواہشات نفسانی کے زیر اثر ہوتے ہوئے کیا ہے۔ اور اس کی وجہ میری لگاتار کوشش اور خدا کی مہربانی سے کامل یقین ہے۔

اس لیے کسی کو ناامید ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرا بڑکپن کسی کام کا نہیں ہے۔ یہ تو میرے ظاہرہ کاموں اور میرے سیاسی کاموں کی وجہ ہے اور یہ کام میرے سب سے ادنیٰ کام ہیں اس لیے یہ دو دنوں میں اڑ جائے گا۔ دراصل قیمتی چیز تو میری صداقت، عدم تشدد اور مجرد پن کی پابندی ہی ہے۔ یہی میرے حقیقی بازو ہیں۔ میرا یہ مستقل جزو چاہے کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ لیکن قابل نفرت نہیں یہی میرا اثاثہ

ہے۔ میں تو ناکامیابی اور اپنی غلطیوں کی واقفیت کو بھی پیار کرتا ہوں جو کہ ترقی کی منزل کے لیے زینے کا کام دیتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

تیرہواں باب

منی کی حفاظت

ناظرین مجھے معاف فرمائیں گے کہ میں عوامی سطح پر ایسے نازک اور اہم مسئلوں پر اظہار خیالات کرنے لگا ہوں جن پر تنہائی میں گفتگو ہونی چاہیے کیونکہ جن کتب کا مجھے مجبوراً مطالعہ کرنا پڑا ہے اور بیورو صاحب کی کتاب پر میری کی گئی نقطہ چینی کے متعلق میرے پاس جو بہت خطوط موصول ہوئے ہیں ان کی وجہ سے رفاہ عامہ کے لیے مجھے اس ضروری مضمون پر عوام میں اظہار خیالات ضروری ہو گیا ہے۔ ایک مالا باری بھائی لکھتا ہے:

> ”آپ جناب بیورو کی کتاب پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایسی ایک بھی مثال نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ کنوار پن سے یا مدت تک ضبط اور پرہیز گاری کی زندگی بسر کرنے سے کسی کو کچھ نقصان پہنچا ہو۔ مجھے تو تین ہفتہ سے زیادہ دنوں تک ضبط رکھنا میرے لیے نقصان دہ معلوم ہوتا ہے۔ اتنے دنوں کے بعد اکثر میرے جسم میں بھاری پن اور طبیعت اور اعضاء میں بے چینی معلوم ہونے لگ جاتی ہے جس سے طبیعت چڑ چڑی سی ہو جاتی ہے آرام اسی وقت آتا ہے جب کہ بذریعہ جماع یا قدرت کی مہربانی سے یوں ہی کچھ انزال ہو

جاتا ہے۔ دوسرے دن سویرے جسمانی اور دماغی کمزوری محسوس کرنے
کی بجائے میری طبیعت بشاش اور ہلکی ہو جاتی ہے اور اپنے کام میں
میں پہلے سے زیادہ حوصلہ سے لگتا ہوں۔''

میرے ایک دوست کو تو مرجد ین اور ضبط نقصان دہ ہی ثابت ہوا ہے ان کی عمر لگ بھگ 32 سال کی ہوگی۔ وہ بڑے کٹر سبزی خور اور زاہد اور پرہیزگار ہیں۔ ان میں جسمانی اور دماغی طور پر ایک بھی عیب نہیں لیکن پھر بھی دو سال پہلے تک انہیں احتلام ہو جایا کرتا تھا اور اس طرح بہت سا دیریہ ضائع ہو جایا کرتا تھا۔ جس کے بعد وہ بڑے کمزور اور بے حوصلہ ہو جاتے تھے اسی وقت انہوں نے شادی کی۔ انہیں پیٹ کے درد کی بیماری اس وقت ہوگئی تھی کسی وید کی صلح سے انہوں نے شادی کر لی۔ اور اب وہ بالکل اچھے ہیں۔

مجرد ین کی خوبیوں کو جن پر ہمارے تمام شاستر متفق الرائے ہیں۔ اصولی طور پر تو تسلیم کرتا ہوں لیکن جن تجربات کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے ان سے تو صاف ظاہر ہے کہ ہمارے جسم سے جو مادہ خارج ہوتا ہے اس کو اپنے جسم میں ہی جذب کرنے کی طاقت ہم میں نہیں ہے اس لیے وہ زہر بن جاتا ہے اس لیے میں آپ سے نہایت ادب کے ساتھ گزارش کرتا ہوں کہ میرے جیسے لوگوں کے فائدہ کے لیے جن کو مجرد ین اور ضبط کی خوبیوں کے متعلق کچھ بھی شک نہیں ہے۔ ینگ انڈیا میں کچھ ایسے عمل بتلائیں۔ جن کے ذریعے ہم اپنے جسم میں اس زندگی بخش طاقت کو جذب کر سکیں۔

ان اصحاب کے تجربات کوئی غیر معمولی نہیں ہیں بلکہ اور کئی لوگوں کی بھی رائے ہیں ایسی حالتوں میں ادھورے ثبوتوں سے عام اصول قائم کرنے میں جلد بازی سے کام لیا گیا ہے۔ اس آب حیات (مادہ تولید) کو جسم میں محفوظ کر رکھنے اور پھر جذب کرنے کی طاقت انسان میں لگاتار کوشش سے آتی ہے۔ ایسا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ کسی اور طریقہ سے جسم اتنا طاقتور نہیں بن سکتا جتنا کہ منی کو محفوظ رکھنے سے ہوتا ہے یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ دوائیں اور آلات جسم کو اچھی اور کام چلاؤ حالت میں رکھ سکتے ہیں لیکن ان سے طبیعت اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ وہ خواہشات نفسانی پر قابو نہیں پا سکتا اور یہ خواہشات جلاد کی طرح انسان کو گھیرے رہتی ہیں۔

ہم کام تو ایسے کرتے ہیں جن سے بجائے فائدہ کے نقصان ہونا چاہیے لیکن معمولی ضبط سے ہی بہت فائدہ کی امید کرتے ہیں ہماری زندگی کا روزانہ پروگرام ہی خواہشات بد کو تسکین دینے کے لیے بنایا جاتا ہے ہماری خوراک ہمارے دل بہلاوے کے سامان اور ہمارے کام کا وقت یہ سبھی ہماری حیوانی خواہشات کو ہی حرکت دینے کے لیے اور تسکین دینے کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں ہم میں بہتوں کی شادی کر کے اولاد پیدا کرنے کی خواہش چاہے کیوں نہ ہو مگر عام طور پر عیش پرستی کے لیے ہی ایسا کیا جاتا ہے اور اخیر تک تقریباً ایسا ہی خیال بنا رہتا ہے۔

لیکن جیسے عام اصولوں میں ہمیشہ سے اختلاف ہوتے ہی آئے ہیں ویسے ہی اب بھی پائے جاتے ہیں ایسے آدمی بھی ہوئے ہیں جنھوں نے بنی نوع انسان کی خدمت میں یا یوں کہو کہ خدا کی خدمت میں زندگی لگا دینی چاہی ہے۔ وہ اپنے قریبی

رشتہ داروں میں اور دنیا کے دیگر لوگوں میں کوئی فرق نہیں دیکھتے اور دونوں کی خدمت یکساں طور پر کرتے ہیں بلاشبہ ایسے آدمی اپنی زندگی کو ایسے طریقے سے بسر نہیں کر سکتے جس سے کسی خاص ذات کی ترقی مقصود ہو جو خدا کی خدمت کے لیے مجرد پن کا عہد لیتے ہیں۔ ان لوگوں کو زندگی کے عیش و عشرت کو چھوڑنا پڑے گا اور اس سخت ضبط اور پرہیز گاری میں ہی سکون محسوس کرنا ہوگا۔ وہ دنیا میں بھلے ہی رہتے ہوں لیکن وہ ''دنیا دار'' نہیں ہو سکتے ان کی خوراک، ان کا پیشہ، کام کرنے کا وقت دل بہلاوے کے سامان لٹریچر اور زندگی کا مقصد وغیرہ عام لوگوں سے ضروری مختلف ہوں گے۔

اب اس پر غور کرنا چاہیے کہ تحریر کنندہ اور اس کے دوست نے کس مقصد سے مجرد پن اختیار کیا تھا؟ اور کیا انہوں نے اپنی زندگی کو اسی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی تھی؟ اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی کہ انزال سے ایک آدمی کو آرام ملتا تھا اور دوسرے کو کمزوری کیوں ہوتی تھی۔ اس دوسرے آدمی کے لیے تو شادی ہی ہوا تھی اگر لوگوں کے دلوں میں اپنی مرضی کے خلاف بھی شادی کی خواہش بھری ہو تو ایسی حالت میں ان لوگوں کے لیے شادی ہی قدرتی علاج ہے جو خیال دبایا نہ جا سکے اور اس کو پورا بھی نہ کیا جائے تو اس کی طاقت اس خیال کی نسبت جس کو ہم نے پورا کر لیا ہے زیادہ ہوتی ہے۔ جب ہم کسی کام کی مشق کرتے ہیں تو اس کا اثر ہمارے خیالات پر بھی پڑتا ہے جس سے خیالات بھی قابو میں آجاتے ہیں اسی طرح جس خیال کو ہم عملی جامہ پہنچا دیتے ہیں وہ غلام سا بن جاتا

ہے اور قابو میں آ جاتا ہے۔اس نکتہ نگاہ سے شادی بھی ایک طرح میرے لیے ممکن نہیں کہ اخباری مضمون میں ان لوگوں کے فائدہ کے لیے جو مقررہ طور پر ضبط اور پرہیز کاری کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں مکمل پروگرام اور ہدایات بیان کرسکوں انہیں تو میں یہی مشورہ دوں گا کہ میری کئی سال پہلے کی اس مضمون پر لکھی ہوئی کتاب جس کا نام ''اروگیہ دگ درشن'' ہے پڑھیں نئے تجربات کی بنا پر اسے کہیں کہیں دہرانے کی ضرورت تو ضرور ہے۔لیکن میں ایک بھی ایسی بات نہیں ہے جسے میں واپس لینا چاہوں ہاں معمولی اصول یہاں پر دیئے جاسکتے ہیں۔

1 کھانا کھاتے وقت اعتدال سے کام لینا چاہیے۔تھوڑی بھوک رہتے ہی چوکے سے ہمیشہ اٹھ جانا چاہیے۔

2 بہت گرم مصالحہ اور گھی تیل سے بنی ہوئی سبزیوں سے ضرور بچنا چاہیے۔جب دودھ پورا ملتا ہو تو گھی تیل وغیرہ چکنی چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔جب منی تھوڑی سی ضائع ہوتی ہو تو تھوڑا کھانا ہی کافی ہوتا ہے۔

3 دل اور جسم کو ہمیشہ پاک وصاف کاموں میں لگائے رکھنا۔

4 جلدی سونا اور صبح سویرے اٹھ بیٹھنا نہایت ضروری ہے۔

5 سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ضبط اور پرہیز گاری کی زندگی بسر کرنے سے خدا سے ملاپ کی زبردست خواہش بڑھتی جاتی ہے۔جس وقت اس اعلیٰ مقصد کا احساس صاف طور پر ہو جاتا ہے۔اس وقت خدا میں یقین برابر بڑھتا ہی جاتا ہے کہ وہ اپنے ہی آپ ہی اپنی اس مشین کو (انسان کے جسم) اور کارآمد حالت میں

رکھے گا۔ گیتا میں جو کہا ہے وہ لفظ بہ لفظ ٹھیک ہے۔

''خط لکھنے والے صاحب اپنے خط میں عمل کا ذکر کرتے ہیں میرا یقین ہے کہ روحانی ضبط کے لیے یہ نہایت مفید ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ اس کے متعلق میرے اپنے کیے ہوئے تجربات کی بنا پر لکھی ہوئی کوئی بات ہے ہی نہیں۔ یہ مضمون قابل مطالعہ ضرور ہے لیکن میں اپنے ناواقف دوستوں کو اس کو استعمال کرنے یا کسی لٹیرے کو استاد بنانے کے لیے خبر دار کر دینا چاہتا ہوں انہیں یقیناً جان لینا چاہیے کہ ضبط اور پرہیز گاری کی زندگی بسر کرنے میں ہی گوہر مقصود حاصل کرنے کی کافی طاقت موجود ہے۔''

☆☆☆☆☆☆☆

چودھواں باب

تنہائی میں بات چیت

مجرد پن کے متعلق سوالات پوچھنے والوں کے اس قدر خطوط مجھے موصول ہوتے ہیں اور اس مضمون پر میرے خیالات ایسے پختہ ہیں کہ اس وقت جبکہ ملک نہایت نازک حالت میں سے گزر رہا ہے میں اپنے خیالات اور تجربات کے نتائج کو ینگ انڈیا کے ناظرین سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔

مجرد پن (Celi Bacy)

انگریزی لفظ Celi Bacy کا ہم معنی لفظ ہندی میں برہچریہ ہے لیکن برہچریہ یعنی مجرد پن یا کنوار پن کے معنی اس سے بھی کہیں زیادہ گہرے ہیں۔ برہچریہ کے معنی ہیں تمام حواس اور خواہشات پر مکمل قابو پانا مجرد کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں۔ لیکن یہ اعلیٰ معراج کی حالت ہے جس کو بہت کم آدمی حاصل کر سکتے ہیں اور اس کا صرف تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی مجرد پن لفظ کی تعریف بڑی پر معنی ہے اور اس سے نہایت اعلیٰ نتائج نکلتے ہیں۔ ایسے ہی مکمل کنوارہ بھی صرف تصور میں ہی رہ سکتا ہے۔ لیکن اگر اسے ہم اپنی روحانی آنکھوں کے آگے دن رات نہ رکھیں گے تو

ہم بے پیندہ کے لوٹے بنے رہیں گے ۔اس خیالی تصویر کے جتنے ہم نزدیک پہنچیں گے اتنا ہی ہم کو کمالیت حاصل ہو گی۔

لیکن فی الحال تو میں جماع نہ کرنے کے محدود معنوں میں ہی مجرد پن کو لوں گا۔ میں مانتا ہوں کہ روحانی کمالیت کے لیے خیالات الفاظ اور عمل سبھی میں مکمل ضبط اور پرہیز گاری ضروری ہے۔ جس ملک میں ایسے آدمی نہیں وہ اس کمی کی وجہ سے غریب گنا جائے گا لیکن میرا مقصد ملک کی موجودہ حالت میں غیر مستقل مجرد پن کی ضرورت ثابت کرنے کا ہے۔

امراض قحط غربت اور یہاں تک کہ بھوکوں مرنا بھی ہماری قسمت میں کچھ بہت زیادہ لکھے ہوئے ہیں۔ غلامی کی چکی میں ہم ایسی باریکی سے پسے جاتے ہیں کہ اگرچہ ہمارا اتنا مالی، روحانی اور اخلاقی نقصان ہو رہا ہے۔ لیکن ہم میں سے کتنے ہی اسے غلامی جاننے کو تیار ہی نہیں ہوتے اور غلطی سے یہ مانتے نہیں کہ ہم آزادی کی راہ پر بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ فوج پر دن بدن بڑھتا ہوا خرچ جان بوجھ کر لنکا شائر اور دیگر برطانوی لوگوں کے فائدہ کو مدنظر رکھ کر ہماری مالی اور اقتصادی پالیسی اور مختلف محکموں کو چلانے کے لیے سرکار کی فضول خرچی نے ملک کے اوپر بوجھ لاد دیا ہے۔ جس سے اس کی غربت بڑھی ہے اور امراض کا حملہ روکنے کی طاقت گھٹ گئی ہے۔ گو کھلے کے الفاظ میں طرز حکومت نے ہمیں ایسا ناکارہ بنا دیا ہے کہ ہمارے بڑوں کو بھی جھکنا پڑتا ہے۔ امرتسر میں ہندوستانیوں کو پیٹ کے بل رینگایا گیا۔ پنجاب کی دیدہ و دانستہ کی گئی بے عزتی اور مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے معاہدہ کو

توڑنے کے لیے معافی مانگنے کو غرور کے ساتھ نامنظور کرنا ہی ہماری غلامی کی نئی مثالیں ہیں۔ ان سے براہ راست ہماری روح کو ہی دھکا پہنچتا ہے۔ اگر ہم ان دو باتوں کو برداشت کرلیں تو پھر ہمیں مکمل نامرد گنا جائے گا۔

ہم لوگوں کے لیے جو کہ اپنی موجودہ حالت کا احساس رکھتے ہیں۔ ایسے نکمے حالات میں اولاد پیدا کرنا کیا مناسب ہے جب تک ہم یہ بات محسوس کرتے ہیں اور ہم بے بس مریض اور قحط زدہ ہیں۔ اس وقت تک اولاد پیدا کر کے ہم کمزوروں اور غلاموں کی تعداد بڑھاتے ہیں جب تک ہندوستان آزاد نہیں ہو جاتا جو کہ قحط کے وقت اپنے کھانے کا انتظام کر سکے۔ ہیضہ، طاعون اور دیگر وباؤں کا علاج کرنا سیکھ جائے ہمیں اولاد پیدا کرنے کا کوئی حق ہی نہیں ہے ناظرین سے میں وہ دکھ چھپا نہیں سکتا۔ جو اس ملک میں بچوں کی پیدائش سن کر مجھے ہوتا ہے۔ مجھے یہ ماننا ہی پڑے گا کہ میں نے کئی سال تک صبر و استقلال کے ساتھ اس پر غور کیا ہے کہ ہم ضبط اور مجردین کے ذریعے اولاد کی پیدائش روک لیں ہندوستان میں موجودہ آبادی کی ہی پرورش کرنے کی طاقت نہیں ہے لیکن اس لیے نہیں کہ اسے زیادتی کا مرض ہے بلکہ اس لیے کہ اس کے اوپر غیر ملکی حکومت ہے جس کا اصلی منشاء اسے زیادہ سے زیادہ لوٹنا ہے۔

اولاد کی پیدائش کس طرح روکی جا سکتی ہے؟ یورپ میں جو نکمے اور غیر قدرتی یا مصنوعی ذرائع کام میں لائے جاتے ہیں۔ ان کے ذریعے نہیں بلکہ ضبط اور پرہیز گاری کی زندگی بسر کر کے والدین کو اپنے بچوں کو مجردین کی مشق کرانی ہی پڑے

گی۔ ہندو عالموں کے مطابق شادی کے قابل عمر کم از کم پچیس سال کی ہونی چاہیے اگر ہندوستان کی مائیں یہ یقین کر سکیں کہ لڑکے لڑکیوں کو شادی شدہ زندگی کی تعلیم دینا گناہ ہے تو آدھی شادیاں تو اپنے آپ ہی رک جائیں گی۔ ہمیں اس اصول پر بھی یقین کرنے کی ضرورت نہیں کہ گرم آب و ہوا ہونے کی وجہ سے یہاں لڑکیاں جلدی جوان ہو جاتی ہیں اور ان کو جلدی حیض آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہیں اور ایسا اندھا دھند اور لچر اعتقاد (جو کہ لڑکیوں کے جلدی جوان ہونے کے متعلق لوگوں میں پایا جاتا ہے) نہیں دیکھا۔ میں یہ کہنے کا حوصلہ کرتا ہوں کہ جوانی سے آب و ہوا کا کوئی تعلق نہیں قبل از وقت جوانی کے آثار کی ذمہ دار ہمارا اخلاقی اور روحانی کرہ ہوائی ہے۔ والدہ اور دیگر رشتہ دار معصوم بچوں کو یہ تعلیم دینا اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں کہ اتنی بڑی عمر ہونے پر تمہاری شادی ہو گی۔ بچپن میں بلکہ والدہ کی گود میں ہی ان کی منگنی کر دی جاتی ہے۔ بچوں کی خوراک اور کپڑے بھی ان کے نفسانی جذبات کو حرکت دیتے ہیں۔ ہم اپنے بچوں کو گڑیا کی طرح سجاتے ہیں۔ ان کے آرام اور فائدہ کے لیے نہیں بلکہ اپنی برائے نام عزت کے لیے میں نے بیسیوں بچوں کی پرورش کی ہے۔ ان کو جو کپڑے دیئے گئے وہ انہوں نے بغیر کسی دقت محسوس کیے خوشی سے پہن لیے ہم بچوں کو سینکڑوں قسم کی گرم اور محرک چیزیں کھانے کو دیتے ہیں۔ اپنی اندھی محبت کے زیر ہو کر ہم ان کی جسمانی صحت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ بلاشک اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جوانی کے آثار جلدی ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ بے موقع اولاد پیدا ہوتی ہے اور بے وقت کی موتیں واقع ہوتی ہیں۔ دنیا

داری کے متعلق والدین ایسے سبق پڑھاتے ہیں جسے بچے آسانی سے سیکھ جاتے ہیں۔ جذبات حیوانی کے سمندر میں آپ تو غوطے کھاتے ہیں۔ لیکن اپنے بچوں کے لیے بھی نفسانیت کے نمونے بن جاتے ہیں گھر میں جب کسی لڑکے کے بھی بچہ پیدا ہو جائے تو بھی خوشیاں منائی جاتی ہیں باجے بجتے اور دعوتیں اڑتی ہیں بڑی حیرانی کی بات ہے کہ ایسی حالت ہونے پر بھی ہم بہت زیادہ کیوں نہیں بگڑے! مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اگر وہ چاہتے ہیں کہ دیش کا بھلا ہو اور وہ ہندوستان کو طاقتور خوبصورت اور مضبوط عورتوں کا ملک دیکھنے چاہتے ہیں تو شادی شدہ عورت اور مرد مکمل خود ضبطی سے کام لیں گے۔ اور اس وقت اولاد پیدا کرنا بند کر دیں گے۔ نئے شادی شدگان کو بھی یہی مشورہ دوں گا کہ کوئی کام کر کے چھوڑنے سے بہتر ہے اس کام کو شروع ہی نہ کیا جائے جیسے جس آدمی نے شراب نہ پی ہو۔ اس کے لیے عمر بھر شراب نہ پینا ایک شرابی کے شراب چھوڑنے سے کہیں زیادہ آسان ہے۔ گر کر اٹھنے سے یہ ہزار درجے بہتر ہے کہ آدمی سیدھا کھڑا رہے۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ مجرد دین کی تعلیم صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو مصائب برداشت کرتے کرتے تنگ آ گئے ہوں کمزوروں کو مجرد دین کی تعلیم دینے سے کوئی فائدہ ہی نہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہم بوڑھے ہوں یا جوان نفس پرستی سے تنگ آئے ہوئے ہوں یا نہیں ہمارا اس وقت دھرم ہے کہ ہم اپنی غلامی کو بڑھانے کے لیے بچے پیدا نہ کریں۔

والدین کو کیا میں اس طرف بھی دھیان دلا دوں کہ وہ میاں بیوی کے حقوق کی بحث کے جال میں نہ پڑیں؟ نفس پرستی کے لیے آپس میں منظوری کی ضرورت پڑتی

ہے۔ضبط اور پرہیز گاری کے لیےنہیں یہ تو ایک عام سچائی ہے۔

جس وقت ہم لوگ ایک بہادر اور مضبوط گورنمنٹ کے ساتھ زندگی اور موت کی لڑائی میں لگے ہوں گے تو ہمیں اپنی قوت جسمانی قوت روحانی اور قوت دماغی سب کی ضرورت پڑے گی جب تک ہم جان سے بھی زیادہ عزیز اس چیز کی حفاظت نہیں کریں گے۔آزادی مل نہیں سکتی۔اس شخصی پاکیزگی کے بغیر ہم ہمیشہ غلام بنے رہیں گے۔ہمیں سوچ کر کہ یہ سرکاری ہے شخصی پاکیزگی میں انگریزوں سے نفرت نہیں کرنی چاہیے اگر چہ وہ سیاسیات کا روحانی ترقی سے کوئی تعلق نہیں مانتے پھر بھی جسمانی طور پر وہ اس کے اصولوں کے پابند تو ضرور رہتے ہیں ملکی سیاسیات میں جتنے انگریز لگے ہوئے ہیں ان میں ہمارے سے بہت زیادہ کنوارے ہیں اور کنواریاں ہیں۔عام طور پر لڑکیاں تو ہمارے ہاں کنواری رہتی ہی نہیں جو تھوڑی بہت ایسی شریف زادیاں ہوتی ہیں تو سیاسی زندگی پر ان کا کوئی اثر نہیں رہتا لیکن یورپ میں ہزاروں لوگ مجرد پن کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔

اب میں ناظرین کے سامنے تھوڑے سیدھے سادے اصول رکھتا ہوں جن کی بنا صرف میرے ہی تجربات نہیں بلکہ میرے بہت سے ساتھیوں کے تجربات بھی ہیں۔

1 لڑکے لڑکیوں کی سیدھے سادے اور قدرتی طور پر یہ یقین رکھ کر پرورش کرنی چاہیے کہ وہ پاک وصاف ہیں اور پاک وصاف رہ سکتے ہیں۔

2 گرم اور محرک کھانوں سے جیسی آچار چٹنی یا مرچ وغیرہ سے چکنی اور بھاری

چیزوں سے جیسے مٹھائیاں اور تلی ہوئی چیزوں سے ہر ایک بچے کو بچائے رکھنا چاہیے۔

3 خاوند بیوی کو الگ الگ کمروں میں رہنا اور تنہائی میں اکٹھا رہنے سے بچنا چاہیے۔

4 جسم اور دل دونوں کو لگا تار نیک کاموں میں لگائے رکھنا چاہیے۔

5 جلدی سونے اور سویرے اٹھنے کے اصول پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔

6 گندی کتب سے ہمیشہ بچنا چاہیے خیالات بد کا علاج نیک خیالات ہیں۔

7 نفسانی جذبات کو حرکت دینے والے تھیٹر، سینما، ناچ تماشوں سے بچنا چاہیے۔

8 احتلام سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں معمولی طاقت ور اور موٹے تازے آدمی کے لیے ہر دفعہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا ہی اس کی سب سے بہتر دوا ہے۔ یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ احتلام سے بچنے کے لیے کبھی کبھی جماع کر لینا چاہیے۔

9 سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ خاوند بیوی بھی کنوارپن کی پابندی کو ناممکن یا مشکل نہ سمجھ لیں بلکہ برخلاف اس کے مجرد پن کو قدرتی بات اور روزمرہ کا عمل یعنی مشق سمجھنا چاہیے۔

10 ہر روز صدق دل سے پاکیزگی کے لیے خدا سے دعا کرنے سے آدمی دن بدن پاک وصاف ہوتا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

پندرہواں باب

خفیہ راز

جنہوں نے تندرستی کے باب بغور پڑھے ہیں ان کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ باب خاص دھیان سے مطالعہ فرمائیں اور اس پر زیادہ غور کریں دیگر باب بھی ضرور فائدہ مند ہوں گے لیکن اس مضموں پر اس جیسا شرح اور پر معنی اور کوئی نہ ہوگا۔ میں پہلے ہی بتلا چکا ہوں کہ ان اوراق میں میں نے ایک بھی بات ایسی نہیں لکھی جس کا مجھے ذاتی تجربہ نہ ہوا ور جس پر میرا کامل یقین نہ ہو۔

تندرستی کی کئی ایک کنجیاں ہیں لیکن اس کی سب سے اعلیٰ کنجی تو صرف مجرد پن ہی ہے۔ اچھی ہوا، اچھی خوراک اور صاف پانی وغیرہ سے ہم تندرست تو رہ سکتے ہیں لیکن اگر ہم جتنا کمائیں اتنا ہی اڑا دیں تو باقی کچھ نہ بچے گا۔ اسی طرح جتنی تندرستی ہم حاصل کریں اتنی اڑا بھی دیں تو پونجی کیا بچے گی؟ اس پر کسی کو بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ دولت تندرستی کو جمع کرنے کے لیے خاوند اور بیوی دونوں کو ہی مجرد پن کی پوری پوری ضرورت ہے جنہوں نے اپنے اندر آب حیات (منی) کو جمع کیا ہے وہی مرد طاقتور کہلاتے ہیں۔

سوال اٹھتا ہے کہ مجرد پن ہے کیا؟ مرد کو عورت سے اور عورت کا مرد سے مباشرت نہ کرنا ہی مجرد پن ہے مباشرت نہ کرنے کے معنی صرف ایک دوسرے کو

خواہشات نفسانی کے زیر اثر ہو کر نہ چھونا ہی نہیں بلکہ اس کام کو خیال میں بھی نہیں لانا چاہیے۔ اس بات کا خواب بھی نہ آنا چاہیے عورت کو دیکھ کر مرد بے قابو نہ ہو جائے اور نہ ہی عورت مرد کو دیکھ کر بے قابو ہو۔ قدرت نے جو پوشیدہ طاقتیں ہمیں عطا کی ہیں ان کو دبا کر اپنے جسم میں ہی ان کو اکٹھا کرنا اور ان کا استعمال صرف اپنے جسم کے لیے ہی نہیں بلکہ دل، دماغ اور عقل کی تندرستی بڑھانے میں کرنا چاہیے۔

لیکن ہمارے اردگرد کیا نظارے دکھائی دیتے ہیں چھوٹے بڑے عورت مرد سب کے سب نفس پرستی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ایسے وقت میں ہم پاگل بن جاتے ہیں۔ ہماری عقل ٹھکانے نہیں رہتی۔ ہماری آنکھوں پر نفسانیت کا پردہ پڑ جاتا ہے۔ ہم خواہشات نفسانی کے بس ہو کر اندھے ہو جاتے ہیں۔ خواہشات نفسانی سے مغلوب عورت مردوں کو اور لڑکے لڑکیوں کو میں نے بالکل پاگل بن جاتے دیکھا ہے۔ میرا ذاتی تجربہ بھی اس سے مختلف نہیں۔ میں جب کبھی ایسی حالت میں ہوا ہوں اپنی شرم و حیا اور عزت کو بالکل بھول گیا ہوں۔ یہ چیز ہی ایسی ہے اس طرح ہم ایک رتی بھر مواصلت کے لطف کے لیے ایک من طاقت ایک لمحہ میں ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ جب نشہ اترتا ہے تو ہم کنگال بن جاتے ہیں دوسرے دن سویرے ہمارا جسم بھاری رہتا ہے ہمیں حقیقی سکون نہیں ملتا ہمارے جسم میں تھکاوٹ محسوس ہونے لگتی ہے ہمارا دل ٹھکانے نہیں رہتا۔

ان کمیوں کو پورا کرنے کے لیے ہم کڑاہی بھر بھر دودھ پیتے ہیں۔ کشتہ کھاتے ہیں مقوی ادویات استعمال کرتے ہیں اور حکیموں کے دروازے کھٹکھٹاتے پھرتے

ہیں کیا کھانے سے اعضاء تناسلی میں حرکت پیدا ہوگی؟ بس اس کی کھوج کرتے ہیں جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے ہمارے اعضاء عقل اور دماغ ناکارہ ہوتے جاتے ہیں اور بڑھاپے میں ہماری عقل تقریباً ماری جاتی ہے۔

سچ پوچھو تو ایسا ہونا ہی نہیں چاہیے بڑھاپے میں دماغ کمزور ہونے کی بجائے زیادہ طاقتور ہونا چاہیے اور عقل زیادہ تیز ہونی چاہیے۔ ہماری حالت ایسی ہونی چاہیے کہ ہمارا جسم اپنے لیے اور دوسروں کے لیے کارآمد ثابت ہو۔ جو کنوارے پن کا عہد کرتا ہے۔ اس کی حالت ایک جیسی ہی رہتی ہے۔ اسے موت کا خوف نہیں رہتا اور نہ وہ مرتے وقت پر ماتما کو بھولتا ہی ہے وہ جھوٹی ہائے ہائے نہیں کرتا۔ اسے وقت مرگ کسی قسم کا دکھ نہیں ہوتا۔ وہ خدا کو اپنا حساب ہنستے ہنستے دینے جاتا ہے وہ دراصل مرد ہے اس کو ہی تندرست کہا جائے گا جس کی موت اس سے مختلف طرح کی ہوتی ہے وہ مرد نہیں؟ عورت ہے۔

عام طور پر ہم خیال نہیں کرتے کہ اس دنیا میں عیش وعشرت، حسد غرور، ظاہر داری، غصہ اور بے صبری وغیرہ زہروں کی جڑ کنوار پن کا عہد نہ کرنا ہی ہے۔ اگر اس طرح ہمارا دل ہمارے قابو میں نہ رہے اور ہم ہر روز ایک یا ایک سے زیادہ دفعہ چھوٹے بچے سے بھی زیادہ بیوقوف بن جائیں تو پھر دانستہ یا نادانستہ طور پر ہم کتنے گناہ نہ کرتے ہوں گے ایسی حالت میں گناہ کبیرہ سے بھی باز نہ رہ سکیں گے۔

لیکن اس قسم کے ''کنوارے'' کو دیکھا کس نے ہے۔ ایسے سوالات کرنے والے بھی بہت ہیں کہ اگر ہر ایک ایسا کنوارا بن جائے تو دنیا کی ہستی ہی نہیں رہے

گی۔اس خیال سے مذہب کا یہی تعلق ہے اس لیے میں مذہبی پہلو کو چھوڑتا ہوا صرف دنیاوی نقطہ نگاہ سے ہی اس پر بحث کروں گا میری رائے میں ان دونوں سوالات کی بنیاد ہماری بزدلی اور ڈرپوک پن ہے۔ہم مجرد پن کی پابندی کرنا چاہتے ہی نہیں اور اس لیے اس سے بچنے کے لیے بہانے تلاش کرتے ہیں۔اس دنیا میں مجرد پن کی پابندی کرنے والے کتنے ہی بھرے پڑے ہیں۔لیکن اگر وہ گلی گلی ٹھوکریں کھاتے پھریں تو پھر ان کی قدر ہی کیا رہ ہے۔ہیرے جواہرات نکالنے کے لیے بھی زمین کے پیٹ میں ہزاروں مزدوروں کو گھسنا پڑتا ہے اور پھر بھی جب کنکر پتھر کے ڈھیر سے پہاڑ بن جاتے ہیں تو کہیں مٹھی بھر ہیرے ہاتھ آجاتے ہیں پھر مجرد پن کی پابندی کرنے والے ہیروں کو ڈھونڈنے میں کتنی محنت درکار ہو گی؟ اس کا حساب آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔مجرد پن کی پابندی کرنے سے دنیا کی ہستی مٹ جائے تو اس سے ہمیں کیا؟ ہم کوئی خدا تو نہیں ہیں؟ جس نے دنیا کو بنایا ہے وہ اس کو خود سنبھالے گا۔دوسرے لوگ بھی مجرد پن کی پابندی کریں گے یا نہیں یہ بھی ہمارے سوچنے کی بات نہیں جب ہم تجارت اور وکالت وغیرہ پیشے کرتے ہیں تو اس وقت تو ہم یہ نہیں سوچتے کہ اگر دوسرے لوگ بھی یہی پیشے اختیار کریں گے تو پھر کیا ہو گا؟ مجرد پن کی پابندی کرنے والے مرد اور عورتوں کو اس کا جواب آسانی سے مل جائے گا۔

دنیاوی لوگ اس خیال کو عملی جامہ کیسے پہنائیں؟ شادی شدہ کیا کریں؟ اور جو خواہشات نفسانی کو قابو میں نہ رکھ سکیں وہ غریب کیا کریں؟

ہم نے دیکھ لیا ہے کہ ہم کہاں تک ترقی کر سکتے ہیں اگر ہم اپنے سامنے یہی مقصد رکھیں تو اس کی ہو بہو یا تقریباً ویسی ہی نقل اتار سکیں گے۔ لڑکوں کو جب حروف لکھنا سکھایا جاتا ہے تو ان کے سامنے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونے رکھے جاتے ہیں۔ جس سے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق پوری یا ادھوری نقل اتار سکیں۔ ایسے ہی ہم بھی مکمل مجرد پن کا مقصد سامنے رکھ کر اس کی نقل کرنے میں لگ سکتے ہیں۔ اگر شادی کر لی جائے تو اس سے کیا ہوا؟ قانون قدرت تو یہ ہے کہ جب اولاد کی خواہش ہو اسی وقت مجرد پن توڑا جائے۔ اس خیال کے مطابق جو دو تین یا چار پانچ سال کے بعد کنوار پن توڑیں گے۔ وہ بالکل پاگل نہیں بنیں گے اور ان کے پاس جوہر حیات (منی) کا خزانہ بھی کافی جمع رہے گا۔ شاذو نادر ہی اس قسم کا کوئی مرد ہو گا۔ جو اولاد کے لیے جماع کرتا ہو۔ اس قسم کے ہزاروں آدمی ہیں جو جماع صرف اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لیے اور لطف اٹھانے کے لیے ہی کرتے ہیں کہ ان کی مرضی کے خلاف اولاد پیدا ہوتی ہے۔ ایسی نفس پرستی کے وقت ہم ایسے اندھے ہو جاتے ہیں کہ سامنے کچھ دیکھتے ہی نہیں۔ اس بات میں عورت سے زیادہ مرد قصوروار ہوتے ہیں۔ اپنی بیوقوفی سے وہ نہ تو عورتوں کی کمزوری اور ناطاقتی کا اور اور نہ اولاد کی پرورش کا اور ان کی صحت کا خیال رکھتے ہیں۔ مغرب کے لوگوں نے تو اس اصول کو ہی بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ وہ تو عیش پرستی کرتے ہیں اور لطف اڑاتے ہیں اور پیدائش اولاد کے بوجھ سے بچنے کے لیے سینکڑوں ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ ان ذرائع پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اور مانع حمل کے ذرائع کی تجارت ہی چل نکلی ہے ابھی

تو ہم اس گناہ سے بچے ہوئے ہیں۔لیکن ہم اپنی عورتوں پر بوجھ لادتے وقت ذرا بھی نہیں سوچتے اور نہ ہی اس بات کی پرواہ کرتے ہیں کہ ہماری اولاد بزدل، کمزور، پاگل اور بیوقوف بنے گی۔ برخلاف اس کے جب اولاد پیدا ہوتی ہے تو خدا کی تعریف کرتے ہیں۔اپنی گندی حالت کو چھپانے کا یہ ایک طریقہ ہے۔ہم اسے خدا کی ناراضگی کیوں نہ مانیں کہ ہمارے گھروں میں کمزور، بزدل، عیاش اور ڈرپوک اولاد پیدا ہوتی ہے؟ اگر بارہ سال کی عمر کے لڑکے کے گھر بھی لڑکا پیدا ہو تو اس میں خوشی کی کونسی بات ہے اور اس میں خوشی کے جلسے کیوں منائے جائیں؟ اگر بارہ سال کی لڑکی ماں بن جائے تو اسے ہم خدا کی انتہائی ناراضگی کیوں نہ مانیں؟ ہم جانتے ہیں کہ اگر نئی بیل میں پھل لگیں۔تو کمزور ہوگی ہم اس کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ جس سے اس بیل کو پھل نہ لگیں لیکن نابالغ لڑکی کے نابالغ خاوند سے جب اولاد پیدا ہوتی ہے۔تو ہم خوشی مناتے ہیں جیسے ہمیں سامنے کھڑا ہاتھی بھی دکھائی نہ دیتا ہو۔اگر ہندوستان میں یا دنیا میں لڑکے نامرد اور چیونٹیوں جیسے پیدا ہونے لگیں تو اس سے کیا دنیا کی بہتری ہوگی؟ ایک طرح سے تو ہم سے حیوانات ہی اچھے ہیں جب ان کے بچے پیدا کرانے ہوں اسی وقت نر مادہ کا ملاپ کراتے ہیں۔ جماع کے بعد دوران حمل میں اور اسی طرح بچہ کی پیدائش کے بعد جب تک وہ دودھ چھوڑ کر بڑا نہیں ہوتا۔اس مدت کو بالکل پاک سمجھنا چاہیے اس دوران میں خاوند اور بیوی دونوں کو مجرد پن کی پابندی کرنا چاہیے برعکس اس کے بغیر سوچے سمجھے اپنے کام جاری رکھتے ہیں۔ ہمارے دل کو یہ ایسی نامراد بیماری لگی ہے۔ جو کہ لا

علاج ہے۔ یہ مرض ہم کو موت کے آغوش میں لے جاتا ہے اور جب تک موت نہیں آتی ہم پاگل کی مانند مارے مارے پھرتے ہیں شادی شدہ عورت مرد کا سب سے اولین فرض یہ ہے کہ وہ شادی کے جھوٹے معنی نہ لے کر اس کے اصلی اور ٹھیک معنی نکالیں اور جب واقعی اولاد نہ ہو تو خواہش اولاد سے مجرد پن کو توڑیں۔

ہماری حالت ایسی قابل رحم ہے کہ ہمارے لیے ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔ ہمارا کھانا ہماری طرز رہائش ہماری باتیں ہمارے اردگرد کے نظارے ہماری خواہشات نفسانی کو جگاتے ہیں اور حرکت پیدا کرتے ہیں۔ ہمارے اوپر افیون کی طرح نفس پرستی کا خمار چڑھتا رہا ہے ایسی حالت میں ہمارے میں یہ طاقت کہاں کہ ہم سوچ بچار سے کام لیں اور ان کاموں سے پیچھے ہٹ جائیں۔ لیکن ایسے شک وشبہ اٹھانے والوں کے لیے یہ مضمون نہیں ہے۔ یہ مضمون تو ان کے لیے ہے جو غور کر کے کام کرنے کو تیار ہوں جو اپنی موجودہ حالت پر صبر کر کے بیٹھ گئے ہوں۔ انہیں تو اس کا پڑھنا بھی مشکل معلوم دے گا لیکن جو اپنی قابل رحم حالت کا اندازہ لگا نہیں سکے۔ اور اس سے تنگ آ گئے ہیں ان کی مدد کرنا ہی اس مضمون کا مقصد ہے۔

اوپر کے مضمون سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے نامناسب حالات میں کنواروں کو شادی کرنی ہی نہیں چاہیے اگر بغیر شادی کیے گزارہ نہ ہو سکے تو جوانی کی حالت میں کرنی چاہیے بچپن کی حالت میں نہیں نوجوان کو پچیس سال کی عمر تک شادی نہ کرنے کا عہد کر لینا چاہیے۔ تندرستی کے علاوہ جو دیگر فوائد اس عہد کے کرنے سے ہم کو ہوں گے۔ ہم ان پر غور نہیں کرتے لیکن ان فوائد کو سب حاصل کر

سکتے ہیں۔

اگر والدین اس مضمون کو پڑھیں تو ان سے مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بچپن میں ہی منگنی کر کے ان کو ایک طرح سے فروخت کر کے گناہ کو اٹھانے والے ہوتے ہیں۔ بچوں کا فائدہ سوچنے کی بجائے وہ اپنی ہی اندھی خودغرضی کو دیکھتے ہیں۔ ان کو اپنا نام کمانا ہے۔ اپنی ذات برادری میں عزت حاصل کرنی ہے اور لڑکے کی شادی کر کے تماشہ دیکھنا ہے۔ لڑکے کا فائدہ منظور ہے تو والدین کو چاہیے کہ ان کے لکھنے پڑھنے پر دھیان دیں ان کی تندرستی کا خیال رکھیں اور ان کے جسموں کو مضبوط بنائیں۔ دنیا داری کے جھنجھٹ میں ڈالنے سے بڑھ کر اس کی اور برائی کیا ہو سکتی ہے۔

کئی ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ جوان عورت یا مرد کو منی کے اخراج کرنے کا موقع ضرور ملنا چاہیے۔ دوسرے کئی ایک ڈاکٹروں کی رائے کا سہارا لے کر یہ یقین کر لینا چاہیے کہ نفس پرستی میں ہی ڈوبے رہنا ٹھیک ہے۔ میرے اپنے تجربات اور دوسروں کے جن تجربات سے میں واقف ہوں ان کی بنا پر بے دھڑک ہو کر کہہ سکتا ہوں کہ تندرستی قائم رکھنے کے لیے نفس پرستی ہرگز ضروری نہیں۔ یہی نہیں بلکہ نفس پرستی اور منی کے اخراج سے تندرستی کو نقصان پہنچتا ہے۔ جسم اور دل دونوں کی کئی سال کی پیدا شدہ مضبوطی ایک دفعہ کے اخراج سے اتنی زیادہ ضائع ہو جاتی ہے کہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے مدت چاہیے۔ اور اتنا وقت لگانے پر بھی پہلے جیسی حالت آ ہی نہیں سکتی۔ ٹوٹے شیشے کو جوڑ کر اس سے کام بھلے ہی نکال لیں لیکن ہے تو وہ ٹوٹا ہوا

ہی منی کو اکٹھا کرنے کے لیے صاف ہوا۔ صاف اور تازہ پانی اور پہلے بتلائے ہوئے اصولوں کے مطابق نیک خیالات کی پوری ضرورت ہے۔ اس طرح اخلاق کا اور تندرستی کا بڑا نزدیکی تعلق ہے۔ مکمل با اخلاق اور نیک چلن آدمی ہی پورا تندرست رہ سکتا ہے۔ جو غفلت کو چھوڑ عقل سے کام لے کر مندرجہ بالا مضمون کو غور سے پڑھیں گے۔ اور اس پر عمل کریں گے۔ تو ان کو فوراً فائدہ معلوم دینے لگے گا۔ جنہوں نے تھوڑے دن بھی کنوار پن کی پابندی کی ہوگی۔ وہ اپنے جسم اور دل میں پہلے سے زیادہ مضبوطی محسوس کریں گے اور جس کے ہاتھ یہ پارس پتھر آ گیا ہے۔ اس کو وہ اپنی زندگی کے ساتھ سنبھال کر رکھے گا۔ تھوڑی سی غفلت سے بھی وہ محسوس کرے گا کہ کتنا بھاری نقصان ہوا ہے میں نے تو کنوار پن کے سینکڑوں فوائد کو جاننے کے بعد غلطیاں کیں اور ان کے کڑوے نتیجے بھگتے۔ غلطی کرنے سے پہلے کی حالت کا نظارہ اور اس کے بعد کی قابل رحم حالت کا نظارہ میری آنکھوں کے سامنے اکثر آیا کرتا ہے۔ لیکن اپنی غلطیوں کی وجہ سے ہی مجھے اس پارس پتھر کی قدر و منزلت معلوم ہوئی ہے اب میں اس کی لگاتار پابندی کروں گا یا نہیں یہ مجھے معلوم نہیں۔ خدا کی مدد سے پابندی کرنے کی امید رکھتا ہوں۔ اس سے میرے دل اور جسم کو جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ مجھے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ میں خود بچپن میں بیاہا گیا بچپن میں ہی اندھا بنا اور بچپن میں ہی باپ بن کر بہت سالوں کے بعد جاگا۔ جاگ کر دیکھتا ہوں کہ میں اندھیرے گڑھے میں گر پڑا ہوں۔ میرے تجربات سے میری غلطیوں سے بھی اگر کسی کو ہوش آ جائے گی اور اپنے آپ کو بچا لے گا تو ان اوراق کو لکھ کر میں اپنی

محنت کو کامیاب سمجھوں گا بہت سے اصحاب کہتے ہیں اور میں خود بھی مانتا ہوں کہ مجھ میں حوصلہ بہت ہے میرا دل تو کمزور گنا ہی نہیں جاتا۔ کتنے لوگ تو مجھے ضدی کہتے ہیں۔ میرے دل میں اور جسم میں بیماریاں ہیں لیکن جن لوگوں کے ساتھ میرا تعلق رہا ہے۔ ان میں اچھا تندرست شمار کیا جاتا ہوں۔ اگر تقریباً بیس سال شہوت پرستی میں گزار کر بھی میں اپنی ایسی حالت بنا سکا ہوں۔ تو اگر ان بیس سال میں بھی بچا رہتا۔ تو آج میں کہاں ہوتا؟ میں خود تو سمجھتا ہوں کہ میرے حوصلہ کی کوئی حد ہی نہیں ہے اور عوام کی خدمت میں یا اپنی خودغرضی میں ہی میں اتنا حوصلہ دکھاتا کہ میری برابری کرنے کی پوری کسوٹی ہو جاتی۔ اتنی نصیحت تو میری غلطیوں سے بھری زندگی سے بھی لی جا سکتی ہے جنہوں نے لگاتار مکمل کنوارپن کی پابندی کی ہے اور جنہوں نے ان کی جسمانی روحانی اور اخلاقی قوت دیکھی وہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ ان کا بیان نہیں ہو سکتا۔

اس مضمون کو پڑھنے والے سمجھ گئے ہوں گے کہ جہاں شادی شدگان کے لیے مجردپن کی صلاح دی جاتی ہے رنڈوے آدمی کو رنڈوہ رہنے کی صلاح دی جاتی ہے۔ وہاں پر شادی شدہ یا غیر شادی شدہ عورت یا مرد کو دوسری جگہ نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کا موقع مل ہی نہیں سکتا۔ دوسرے کی عورت کی طرف یا بازاری عورت کی طرف نظر بد سے دیکھنے کے خوفناک نتائج پر تندرستی کے مضمون میں غور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو مذہب اور اخلاق سے تعلق رکھنے والی بات ہے۔ یہاں تو صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ زنا کاری یا رنڈی بازی سے آدمی سوزاک وغیرہ قابل نفرت امراض

خرید لیتے ہیں۔قدرت تو ایسا رحم کرتی ہے کہ ان لوگوں کے آگے گناہوں کا پھل فوراً ہی آجاتا ہے۔پھر بھی وہ آنکھیں بند کیے ہی رہتے ہیں۔اور اپنے امراض کے لیے ڈاکٹروں کے دروازے کھٹکھٹاتے پھرتے ہیں۔ جہاں پر زنا کاری نہ ہو وہاں پر پچاس فیصدی ڈاکٹر بیکار ہو جائیں گے۔ یہ بیماریاں لوگوں میں کچھ ایسا گھر کر گئی ہیں کہ سمجھدار ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اگر زنا کاری اسی طرح جاری رہی۔تو ان امراض کی سینکڑوں ادویات ایجاد ہونے کے باوجود بھی بنی نوع انسان کا خاتمہ نزدیک ہی ہے۔تو ان امراض کی سینکڑوں ادویات ایجاد ہونے کے باوجود بھی بنی نوع انسان کا خاتمہ نزدیک ہی ہے۔ان امراض کے لیے ادویات بھی زہریلی ہوتی ہیں کہ اگر ان سے ایک مرض جاتا ہوا دکھائی دیتا ہے تو دوسرا مرض جسم میں گھر کرنے لگتا ہے اور پشت در پشت یہ امراض چلتے رہتے ہیں۔

اب شادی شدہ مرد عورتوں کے لیے کنوارپن کی پابندی کے طریقے بتا کر اس طویل مضمون کو ختم کرنا چاہیے۔کنوارپن کے لیے صرف صاف ہوا پانی اور خوراک کا ہی خیال کرنے سے کام نہ چلے گا بلکہ انہیں اپنی بیوی سے تنہائی میں ہی ملنا بھی نہیں چاہیے۔غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تنہائی کی ضرورت ہی صرف اس وقت ہوتی ہے جبکہ انسان پر جذبہ شہوت غالب ہو ورنہ تنہائی کی ضرورت ہی نہیں رات کو خاوند بیوی کو الگ الگ کمروں میں سونا چاہیے۔سارا دن دونوں کو اچھے اچھے کاموں میں لگے رہنا چاہیے۔جس سے نیک خیالات کو قوت حاصل ہو۔اچھی اچھی کتب اور بڑے بڑے آدمیوں کی سوانح عمری کو پڑھنا چاہیے لگاتار یہی خیال باندھے رکھنا

چاہیے کہ شہوت پرستی میں دکھ ہی دکھ ہے۔ جب کبھی جذبہ شہوت حرکت میں آئے ٹھنڈے پانی سے نہالینا چاہیے۔ جسم میں جو تیز آگ ہے وہ ٹھنڈی ہو کر آدمی اور عورت دونوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہو گی اور دوسری کارآمد صورت اختیار کر کے دونوں کے لیے حقیقی عیش و آرام بڑھائے گی۔ ایسا کرنا مشکل ہے لیکن مشکلات پر قابو پانے کے لیے ہی تو ہم پیدا ہوئے ہیں۔ اگر تندرستی حاصل کرنی ہے تو ان مشکلات پر ضرور قابو پانا ہی پڑے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

سولھواں باب

کنوارہ پن

بھادرن میں ایک خطبہ کا جواب دیتے ہوئے لوگوں کی خواہش پر گاندھی جی نے کنوارپن پر ایک لمبا درس دیا تھا۔جس کا مطلب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

''آپ لوگ چاہتے ہیں کہ میں کنوارپن کے متعلق کچھ بیان کروں۔کئی مضمون ایسے ہیں جن پر میں ''نوجیون'' میں ضرورت پڑنے پر لکھ دیتا ہوں۔ان پر درس تو شاید ہی کبھی دیتا ہوں کیونکہ یہ مضمون ہی ایسا ہے کہ بذریعہ تقریر سمجھایا ہی نہیں جاسکتا ہے۔آپ تو معمولی کنوارپن کے متعلق سننا چاہتے ہیں۔جس کنوارپن کو شرح معنی ''سارے حواس پر قابو پانا'' ہے اس کے متعلق نہیں اس معمولی کنوارپن کو بھی علوم میں بڑا مشکل بتایا ہے یہ بات سو فیصدی درست ہے اس میں صرف ایک فیصدی کی کمی ہے اس کی پابندی اس لیے مشکل جان پڑتی ہے کہ ہم دیگر حواس پر قابو نہیں رکھتے۔خاص کر زبان پر جو اپنی زبان پر قابو رکھتا ہے کنوارپن اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے علم حیوانات کے ماہروں کی رائے ہے کہ جس درجہ تک حیوان کنوارپن کی پابندی کرتے ہیں اس درجہ تک انسان نہیں کرتا۔اس کی وجہ دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ حیوان اپنی زبان پر پورا قابو رکھتے ہیں کوشش کر کے نہیں بلکہ قدرتی طور پر صرف گھاس پر ہی اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔اور وہ بھی صرف اس قدر کھاتے ہیں جس

سے پیٹ بھر جائے۔ وہ زندہ رہنے کے لیے کھاتے ہیں کھانے کے لے زندہ نہیں رہتے۔ لیکن ہم تو اس کے بالکل برعکس کرتے ہیں۔ والدہ اپنے بیٹے کو طرح طرح کے لذیذ لذیذ کھانے کھلاتی ہے اس کا خیال ہے کہ بچہ پر محبت ظاہر کرنے کا یہی ایک سب سے اچھا طریقہ ہے۔ جب ہم ایسا کرتے ہیں تو ہم ان چیزوں کا ذائقہ بڑھاتے نہیں بلکہ گھٹاتے ہیں ذائقہ تو بھوک کے ساتھ ہے بھوک کے وقت سوکھی روٹی بھی میٹھی اور لذیذ لگتی ہے اور بغیر بھوک کے آدمی کو لڈو بھی پھیکے اور بدمزہ معلوم ہوں گے۔ لیکن ہم تو نہ معلوم کیا کیا کھا کر پیٹ کو ٹھساٹھس بھر لیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ کنوارے پن کی پابندی نہیں ہوتی۔''

جو آنکھیں ہمیں خدا نے دیکھنے کے لیے دی ہیں ان سے ہم گناہ کرتے ہیں۔ اور دیکھنے کے قابل چیزوں کو دیکھنا ہی نہیں سیکھتے۔ اس بات پر بحث کرنے کی بجائے کہ ''ماں آپ گائیتری کیوں نہیں پڑھتی اور اپنے بچوں کو کیوں نہیں پڑھاتی۔'' اگر وہ خود پرستش آفتاب کو سمجھ کر ان سے سورج کی پرستش کرادے تو کتنا اچھا ہو؟ سورج کی پرستش تو جنگلی اور آریہ سماجی دونوں ہی کر سکتے ہیں۔ یہ تو میں نے موٹا مطلب آپ کے سامنے رکھا ہے۔ اس پرستش کے معنی کیا ہیں؟ یہی کہ اپنا سر اونچا رکھ کر آفتاب کا دیدار کر کے اپنی آنکھوں کو پاک کیا جائے۔ گائیتری کے پڑھنے والے صوفی تھے۔ انہوں نے کہا کہ طلوع آفتاب میں جو خوبصورتی ہے، نظارہ ہے، کھیل ہے، اور ڈرامہ ہے۔ وہ اور کہیں دیکھنے میں نہیں آتا۔ خدا جیسا خوبصورت کردار بنانے والا کوئی اور نہیں ہے اور آسمان سے بڑھ کر آراستہ سٹیج بھی کبھی نہیں مل سکتی۔ لیکن آج

کونسی ماں ہے جو بچہ کی آنکھیں دھو کر اسے آسمان کے دیدار کراتی ہے۔ بلکہ ماؤں کے خیالات میں توئی توہمات بھرے رہتے ہیں بڑے بڑے گھروں میں جو تعلیم ملتی ہے اس کا نتیجہ کے طور پر تو شاید لڑکا اعلیٰ افسر کے عہدہ پر پہنچے گا لیکن اس بات کا کون خیال کرتا ہے کہ گھروں میں دانستہ یا نادانستہ طور پر جو تعلیم دی جاتی ہے۔ اس سے کتنی باتیں وہ سیکھ لیتا ہے۔ ماں باپ ہمارے جسموں کو ڈھانپتے ہیں سجاتے ہیں۔ لیکن اس سے کہیں خوبصورتی بڑھ سکتی ہے؟ کپڑے جسم کو ڈھکنے کے لیے ہیں۔ سردی گرمی سے بچانے کے لیے ہیں۔ سجانے کے لیے نہیں اگر بچوں کا جسم بجر کی مانند سخت بنانا ہے تو سردی سے کانپتے بچہ کو ہم انگیٹھی کے پاس بٹھانے کی بجائے میدان میں کھیلنے کودنے بھیج دیں گے یا کھیت میں کام پر چھوڑ دیں گے؟ اس کا جسم مضبوط بنانے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے۔ جس نے کنوارپن کی پابندی کی ہے اس کا جسم ضرور ہی پتھر کی مانند ہونا چاہیے۔ ہم تو بچہ کے جسم کا ستیاناس کر ڈالتے ہیں اس کو گھر میں رکھنے سے تو اس میں مصنوعی گرمی آتی ہے۔ حقیقی گرمی نہیں آسکتی اور جھوٹے لاڈ پیار سے تو ہم اس کا جسم صرف بگاڑتے ہی ہیں۔

یہ تو ہوئی کپڑے کی بات پھر گھر میں طرح طرح کی باتیں کر کے ہم اس کے ذہن پر برا اثر ڈالتے ہیں اس کی شادی کا ذکر کیا کرتے ہیں اس قسم کی چیزیں اور نظارے بھی ہم ان کے سامنے پیش کرتے ہیں مجھے تو حیرانگی ہوتی ہے کہ ہم اب تک جنگلی کیوں نہیں بن گئے؟ اگرچہ رسم ورواج کو توڑنے کے لیے ہم نے بہت طریقے نکال رکھے ہیں لیکن پھر بھی رسم ورواج بچے ہی رہتے ہیں۔ خدا نے انسان کو اس

ڈھنگ سے بنایا ہے کہ گراوٹ کے ہزار ہا مواقع ہونے کے باوجود بھی وہ بچ جاتا ہے۔ اگر ہم کنوار پن کے راستہ سے یہ سب رکاوٹیں دور کر دیں تو اس کی پابندی کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔

ایسی حالت ہوتے ہوئے بھی ہم دنیا کے ساتھ جسمانی مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اس کے دو راستے ہیں ایک دیوتاؤں والا، دوسرا شیطانوں والا۔ جسمانی طاقت حاصل کرنے کے لیے طرح طرح کے طریقے کام میں لانا۔ ہر قسم کی چیزیں کھانا اور گائے کا گوشت وغیرہ کھانا بچپن میں میرا دوست مجھ سے کہا کرتا تھا کہ دنیا میں ہمیں گوشت ضرور کھانا چاہیے نہیں تو ہم انگریزوں کی طرح طاقتور اور توانا نہ ہو سکیں گے۔ جاپان کو بھی جب دوسرے ملک کے ساتھ لڑنا پڑا تو وہاں پر بھی گوشت کھایا گیا۔ اس طرح سے اگر شیطانی طریقہ سے جسم کو تیار کرنے کی خواہش ہو تو ان چیزوں کا استعمال کرنا ہو گا۔

لیکن اگر دیوتاؤں والے طریقہ سے جسم تیار کرنا ہے۔ تو صرف مجرد پن ہی اس کا واحد ذریعہ ہے۔ جب لوگ مجھے مکمل مجرد کہتے ہیں تو مجھے اپنے آپ پر رحم آتا ہے۔ اس مضمون میں مجھے مکمل مجرد کہا گیا ہے۔ اس لیے مجھے کہنا پڑتا ہے کہ جنہوں نے اس خطبہ کا مضمون تیار کیا ہے۔ ان کو علم نہیں کہ مکمل مجرد کسے کہتے ہیں؟ جس کے اولاد پیدا ہوئی ہے۔ اسے مکمل مجرد کیسے کہہ سکتے ہیں؟ مکمل مجرد کو نہ تو کبھی بخار آتا ہے نہ کبھی سر درد ہوتا ہے نہ کبھی کھانسی ہوتی ہے نہ کبھی اپنڈ سائیز ہوتا ہے۔ ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں کہ نارنگی کا بیج آنت میں رہنے سے اپینڈ سائیز ہوتا ہے۔ لیکن جو جسم

مضبوط اور پاک و صاف ہو اس میں یہ بیج ٹھہریں گے کیسے؟ جب آنتیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ اس وقت وہ ایسی چیزوں کو اپنے آپ باہر نکال دیں گی میری بھی آنتیں کمزور پڑ گئی ہوں گی اس لیے میں ایسی کوئی چیز ہضم نہ کر سکا ہوں گا۔ بچہ ایسی بہت سی اشیاء کھا جاتا ہے۔ ماں اس کا کہاں تک دھیان رکھ سکتی ہے لیکن اس کی آنتوں میں ایسی طاقت قدرتی طور پر ہوتی ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ مجھے مکمل مجرد پن کی پابندی کی جھوٹی تسلی دے کر کوئی دروغ بیانی سے کام نہ لے۔ مکمل مجرد کا تیج مجھ سے سینکڑوں گنا زیادہ ہونا چاہیے۔ میں مثالی کنوارا نہیں ہوں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ میں ویسا بننا چاہتا ہوں میں نے تو آپ لوگوں کے سامنے اپنے تجربات کی کچھ بوندیں پیش کی ہیں۔ جو مجرد پن کی حد بتاتی ہیں۔ مجرد پن کی پابندی کے یہ معنی نہیں کہ میں کسی عورت کو نہ چھوؤں بلکہ مجرد بننے کے یہ معنی ہیں کہ عورت کو چھونے سے بھی مجھ میں ویسے بد خیالات پیدا نہ ہوں جیسا کہ ایک کاغذ کو چھونے سے نہیں ہوتے۔ میری بہن بیمار ہو اور اس کی خدمت کرتے ہوئے مجرد پن کی وجہ سے ہچکچانا پڑے تو وہ مجرد پن کوڑی کے کام کا بھی نہیں۔ جیسے صاف اور پاک ذہن سے ہم ایک مردہ جسم کو چھو سکتے ہیں۔ اسی صاف و پاک من سے اگر ہم خوبصورت سے خوبصورت عورت کو بھی چھو سکیں۔ اس وقت ہم مجرد کہلا سکتے ہیں اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ بچہ اسی قسم کا مجرد پن اختیار کرے تو اس کی مشق اور عمل کا پروگرام آپ نہیں بنا سکتے۔ کوئی مجرد ہی بنا سکتا ہے خواہ مجھ جیسا ادھورا ہی مجرد ہو۔

مجرد قدرتی طور پر راہب ہوتا ہے۔ کنواروں کا ادارہ راہبانیت سے بھی بڑھ کر

ہے لیکن اس کو ہم نے گرا دیا ہے ایسا کرنے سے ہمارا گھریلو نظام بھی بگڑا ہے بان پرست بھی بگڑا ہے اور ترک دنیا کا تو وجود بھی باقی نہیں رہا ہماری بہت نا قابل برداشت حالت ہوگئی ہے۔

اوپر جو شیطانی طریقہ بیان کیا گیا ہے اس پر عمل کر کے تو آپ پانچ سو برس کے بعد پٹھانوں کا مقابلہ نہ کرسکو گے دیوتاؤں والے طریقہ پر اگر آج ہی عمل کیا جائے تو آج ہی پٹھانوں کا مقابلہ ہوسکتا ہے کیونکہ اس طریقہ سے ضروری روحانی تبدیلی ایک لمحہ میں ہوسکتی ہے۔لیکن جسمانی تبدیلی کرتے ہوئے تو کئی زمانے گزر جاتے ہیں۔اس دیوتاؤں والے طریقہ پر ہم اسی وقت عمل کرسکیں گے جب ہمارے پاس کچھ پچھلے جنم کی اکٹھی کی ہوئی نیکی ہوگی اور والدین ہمارے لیے مناسب سہولت بہم پہنچائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سترھواں باب

مکمل مجردپن

مجردپن کے موضوع پر کچھ لکھنا آسان کام نہیں لیکن میرا اپنا تجربہ اتنا وسیع ہے کہ اس کی کچھ بوندیں ناظرین کو پیش کرنے کی خواہش بنی ہی رہتی ہے۔اس کے علاوہ میرے پاس جو خطوط آئے ہوئے ہیں انہوں نے اس خواہش کو اور بھی زیادہ بڑھادیا ہے۔

ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ مجردپن کے کیا معنی ہیں؟ کیا اس کی سولہ آنے پابندی کرنا ممکن ہے تو کیا آپ اس طرح سے کرتے ہیں؟

مجردپن کے حقیقی معنی ہیں ''برہم کی تلاش'' برہم یعنی خدا ہر ایک کے اندر موجود ہے اس لیے اس کی تلاش دل کی یکسوئی اور اس سے پیدا ہونے والے علم سے ہوتی ہے۔یہ علم حواس پر مکمل ضبط پائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔اس لیے سب حواس پر جسم و دماغ اور زبان سے ہروقت اور ہر جگہ پر مکمل طور پر قابو پائے رکھنا مجردپن کہلاتا ہے۔

ایسے مجردپن کی پابندی کرنے والے صرف وہی عورت اور مرد ہوسکتے ہیں جن کے خیالات نیک ہوں اور پاک وصاف ہوں۔ایسے نیک خیالات والے لوگ خدا کے نزدیک رہتے ہیں اور وہ خدا کا ہی نمونہ ہوتے ہیں۔

اس میں مجھے ذرا بھی شک نہیں ہے کہ ایسے مجرد پن کی پابندی دل و جان او رزبان سے کرنا ممکن ہے۔ مجھے کہتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ ایسے مجرد پن کی مکمل حالت کو میں ابھی تک نہیں پہنچ سکا ہوں۔وہاں تک پہنچنے کی کوشش میں لگاتار کرتا رہا ہوں۔اسی جسم سے اس حالت تک پہنچنے کی امید میں نے چھوڑی نہیں ہے۔جسم پر تو میں نے اپنا قابو جما لیا ہے۔بیداری کی حالت میں تو میں خوب ہوشیار اور چوکنا رہ سکتا ہوں۔ میں نے زبان پر ضبط رکھنا بھی ٹھیک سیکھ لیا ہے۔خیالات پر قابو پانے کے لیے ابھی مجھے بہت کچھ کرنا باقی ہے۔جس وقت میں ایک بات پر قابو کرتا ہوں۔اس وقت صرف ایک ہی طرف دھیان رہنے کی بجائے دوسرے خیالات بھی آجاتے ہیں۔اس سے خیالات میں آپس میں جنگ ہو جاتی ہے۔

پھر بھی بیداری کی حالت میں میں خیالات کو آپس میں ٹکرانے سے روک سکتا ہوں میری ایسی حالت کہی جا سکتی ہے کہ گندے خیالات مجھے نہیں ستا سکتے لیکن نیند کی حالت میں خیالات پر میرا قابو کم رہتا ہے نیند میں کئی قسم کے خیالات آتے ہیں ایسے خواب بھی آتے ہیں جن کا میں نے کبھی خیال بھی نہیں کیا۔اور کبھی کبھی اس جسم سے کیے ہوئے کاموں کے خیالات بھی جاگ اٹھتے ہیں۔وہ خیالات جب گندے ہوتے ہیں۔اس وقت احتلام بھی ہو جاتا ہے یہ حالت ایسے آدمی کی ہوتی ہے جس کے خیالات گندے ہوں۔

میرے خیالات کی خرابیاں بھی دور ہوتی جا رہی ہیں۔لیکن وہ ابھی بالکل مٹ نہیں گئیں اگر میں خیالات پر بھی اپنی حکومت قائم کر سکا ہوتا تو پچھلے دس سال میں

مجھے جو تین سخت امراض ہوئے (پسلی کا درد پیچش۔۔۔۔) وہ کبھی نہ ہوتے۔ میں مانتا ہوں کہ تندرست روح کا جسم بھی تندرست ہوتا ہے یعنی جیسے جیسے روح تندرست اور پاکیزہ ہوتی جاتی ہے۔ ویسے ہی ویسے جسم بھی تندرست ہوتا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تندرست جسم کے معنی طاقت ور جسم کے نہیں۔ طاقت ور روح کمزور جسم میں بھی رہ سکتی ہے جیسے جیسے روحانی طاقت بڑھتی جاتی ہے جسم کمزور ہوتا چلا جاتا ہے مکمل تندرست جسم بھی بہت کمزور ہو سکتا ہے۔

کمزور جسم میں زیادہ تر بیماریاں تو رہتی ہی ہیں اگر کوئی بیماری نہ بھی ہو تو پھر بھی وہ جسم وبائی امراض کے شکار جلدی ہو جاتے ہیں لیکن جس کا جسم مکمل طور پر تندرست ہو۔ اس پر وبائی امراض کی چھوت کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ صاف خون میں ایسے جراثیم کو دور کرنے کی خاصیت ہوتی ہے۔

ایسی عجیب حالت واقع آسانی سے تو نہیں مل سکتی۔ نہیں تو اب تک میں یہاں تک پہنچ گیا ہوتا۔ کیونکہ میرا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ ایسی حالت کو حاصل کرنے کے لیے جن طریقوں پر عمل کرنے کی ضرورت ہے ان سے میں منہ موڑنے والا نہیں ہوں۔ ایسی کوئی بھی دنیاوی شے نہیں۔ جو مجھ کو ایسا کرنے سے باز رکھ سکے۔ لیکن پچھلے رواجات کو دھو ڈالنا سب کے لیے آسان نہیں۔ اس لیے اگرچہ دیر ہو رہی ہے لیکن پھر بھی میں پورے حوصلہ کے ساتھ اس معراج پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کیونکہ میں ایسی ایسی پاکیزہ اور نفسانیت سے مبرا حالت کا تصور کر سکتا ہوں۔ اس کی دھندلی جھلک بھی کبھی کبھی دیکھ سکتا ہوں۔ اور جو ترقی میں نے اب تک کی ہے۔ وہ

مجھے ناامید کرنے کی بجائے مجھ میں حوصلہ اور امید بھر رہی ہے۔ پھر بھی اگر میری خواہش پوری نہ ہو اور میرا جسم پھوٹ جائے تو بھی میں اپنے آپ کو کامیاب نہ سمجھوں گا جتنا یقین مجھے اس جسم کی ہستی پر ہے۔ اتنا ہی دوبارہ پیدائش پر بھی ہے۔ اس لیے میں جانتا ہوں کہ میری تھوڑی سی کوشش بھی رائیگاں نہیں جاسکتی۔

اپنے ذاتی تجربات کے اس قدر بیان کرنے کا میرا یہی مقصد ہے کہ اس سے جن لوگوں نے مجھے خطوط تحریر کیے ہیں۔ ان کو اور ان جیسے دیگر لوگوں کو آرام اور تسلی ہو اور ان کو اپنے اوپر بھروسہ بڑھے۔ سب کی روح ایک ہی ہے کئی ایک لوگوں کی طاقت ظاہر ہو چکی ہے دوسروں کی ظاہر ہونی باقی ہے کوشش کرنے سے ان کو بھی ایسے ہی نتائج حاصل ہوں گے۔

یہاں تک تو میں نے مجرد رہنے کے وسیع معنی بیان کیے ہیں مجرد رہنے کے دنیاوی اور مروج معنی تو صرف جذبہ شہوت پر دل و زبان اور جسم کے ذریعے قابو پانا ہے یہ معنی واقعی درست ہیں کیونکہ اس کی پابندی کرنا نہایت مشکل مانا گیا ہے اس سے جذبہ شہوت پر قابو پانا اس قدر مشکل ہو گیا ہے کہ تقریباً ناممکن ہی ہو گیا ہے۔ پھر جو جسم بیماری کی وجہ سے کمزور ہو گیا ہے جذبہ شہوت اس میں زیادہ ہوتا ہے۔ یہ حکماء کی رائے ہے اس لیے بھی ہماری امراض میں مبتلا سماج کو مجرد رہنے کی پابندی کرنا مشکل جان پڑتا ہے۔

اوپر میں کمزور اور تندرست جسم کے متعلق لکھ آیا ہوں۔ کوئی اس کے یہ معنی نہ نکال لے کہ جسمانی طاقت بڑھانی ہی نہیں چاہیے میں نے تو نہایت لطیف مجرد رہنے

کی بات اپنی قدرتی زبان میں لکھی ہے۔

اس سے شاید غلط فہمی پھیل جائے۔ جو سب حواس پر قابو پانا اور ضبط حاصل کرنا چاہتا ہے اسے آخر میں جسمانی کمزوری کو خوش آمدید کہنا ہی پڑے گا۔ جب جسم کا غرور اور خودی مٹ جائے تب جسمانی طاقت کی خواہش ہی نہیں رہتی۔ لیکن جذبہ شہوت پر قابو پانے والے مجرد کا جسم بڑا مضبوط اور طاقت والا ہونا چاہیے۔ یہ مجرد پن بھی بڑا عجیب ہے۔ جس کو جذبہ شہوت خواب میں بھی تکلیف نہیں دیتا وہ قابل پرستش ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے لیے دوسرے ضبط آسان ہو جاتے ہیں۔

اس مجردین کے متعلق ایک دوسرے صاحب لکھتے ہیں:

> ''میری حالت قابل رحم ہے۔ دفتر میں، راستہ میں۔ رات کو پڑھتے وقت کام کرتے ہوئے اور خدا کا نام لیتے ہوئے بھی وہی خیالات آتے رہتے ہیں دل کے خیالات کس طرح قابو میں کیے جا سکتے ہیں۔ میرے دل میں ایسا جذبہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے کہ میں ہر ایک عورت کو اپنی ماں کی مانند سمجھنے لگوں؟ میری آنکھوں سے پاک محبت کی شعاعیں کس طرح نکل سکتی ہیں؟ گندے خیالات کس طریقہ سے دور ہوں؟ مجردین کے متعلق جو مضمون آپ نے لکھا ہے وہ میرے پاس ہے لیکن یہ میرے لیے مفید ثابت نہیں رہا ہے۔''

یہ حالت واقعی قابل رحم ہے۔ بہت سے لوگوں کی یہی حالت ہوتی ہے لیکن جب تک من ان خیالات کے ساتھ جنگ کرتا رہتا ہے اس وقت تک ڈرنے کی کوئی

وجہ نہیں اگر آنکھ خرابی پیدا کرتی ہے تو اس کو بند کر لینا چاہیے اگر کان خرابی کرتے ہوں تو ان میں روئی ٹھوس دینی چاہیے۔ نیچی نگاہ کر کے چلنا بڑا فائدہ مند ہیں اس سے اس کو دوسری باتوں کے دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ جہاں گندی باتیں یا گندے گیت گائے جا رہے ہوں وہاں سے اٹھ کر بھاگ جانا چاہیے۔ انسان کو اپنی زبان پر خوب قابو پانا چاہیے۔

میرا تجربہ تو ایسا ہے کہ جس نے زبان کے ذائقہ کو نہیں جیتا وہ جذبہ شہوت کو نہیں جیت سکتا۔ زبان کے ذائقہ کو جیتنا بہت مشکل ہے لیکن اس فتح پر دوسری فتوحات کا انحصار ہے۔ یعنی دوسری فتوحات اس وقت ممکن نہیں۔ جبکہ زبان کے ذائقہ پر فتح حاصل کر لی جائے ذائقہ کو جیتنے کے لیے ایک اصول تو یہ ہے کہ مصالحوں کا استعمال بالکل نہ کیا جائے یا کم از کم استعمال کیا جائے اور دوسرا اس سے بھی بڑھ کر اصول یہ ہے کہ اپنے اندر یہ خیالات پختہ کر لیے جائیں کہ ہم ذائقہ کے لیے نہیں کھاتے۔ بلکہ صرف جسم کی حفاظت کے لیے کھانا کھاتے ہیں۔ ہم ہوا ذائقہ کے لیے نہیں بلکہ سانس کے لیے لیتے ہیں۔ پانی ہم صرف پیاس بجھانے کے لیے ہی پیتے ہیں۔ اسی طرح کھانا بھی صرف بھوک مٹانے کے لیے ہی کھانا چاہیے۔ ہمارے والدین بچپن سے ہی ہمیں اس سے الٹی عادت ڈالتے ہیں ہماری پرورش کے لیے نہیں بلکہ اپنا پیار دکھانے کے لیے ہمیں طرح طرح کی ذائقہ دار چیزیں کھلا کر بگاڑتے ہیں ہمیں ایسے کرہ ہوائی کی مخالفت کرنی ہوگی۔

لیکن جذبہ شہوت کو جیتنے کا سنہری اصول تو رام نام یا کوئی دوسرا ایسا منتر ہے وہ

اوش منتر بھی یہی کام دیتا ہے۔ جس کا جیسا اعتقاد ہو وہ ویسے ہی منتر کا ورد کرے۔ مجھے بچپن سے رام نام سکھایا گیا تھا۔ مجھ کو اس کا سہارا برابر ملتا رہتا ہے۔ اسی لیے میں نے اس کو یاد دلایا ہے جس منتر کو ہم ورد کریں ہمیں اس میں بالکل محو ہو جانا چاہیے منتر پڑھتے وقت چاہیے دوسرے خیالات آجائیں تو بھی جو دھیان رکھ کر منتر کا ورد کرتا رہے گا۔ اسے آخر کار کامیابی ضرور نصیب ہوگی مجھے اس میں رتی بھر بھی شک نہیں یہ منتر اس کی زندگی کا سہارا بنے گا۔ اور اسے تمام مصیبتوں سے بچائے گا۔ ایسے پاک منتروں کا استعمال کسی کو دھن دولت کے حصول کے لیے نہیں کرنا چاہیے۔ یہ منتر تو ہمارے اخلاق کی حفاظت کرنے میں ہی اپنا اثر دکھاتے ہیں اور تجربہ ہر ایک عامل کو تھوڑے ہی دنوں میں مل جائے گا۔ ہاں اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ ان منتروں کو طوطے کی طرح رٹنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اس میں اپنی روح لگا دینی چاہیے۔ طوطے تو مشین کی طرح ایسے منتر پڑھتے رہتے ہیں۔ ہمیں ان کو غور کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ نا مناسب خیالات کو ہٹانے کا خیال کر کے اور یہ اعتقاد رکھ کر کہ اس منتر میں ایسا کرنے کی طاقت ہے پڑھنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اٹھارہواں باب

خیالات کا اثر

ایک صاحب لکھتے ہیں:

"ینگ انڈیا میں اولاد کے متعلق جو مضامین آپ نے لکھے ہیں انہیں میں خوب من لگا کر پڑھتا رہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ نے بی اے ہیڈفیلڈ کی "سائیکولوجی اینڈ مارلنز" نام کی کتاب پڑھی ہو گی۔ میں آپ کا دھیان اس کتاب کے مندرجہ ذیل اقتباس کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔"

"شہوت غیر قدرتی اور نا مناسب اس حالت میں کہلاتا ہے جبکہ اس قسم کا خیال خلاف اخلاق مانا جاتا ہو۔ اور شہوت کو مناسب اور جائز لطف اس وقت مانا جاتا ہے جب کہ یہ خیال محبت کا نشان مانا جائے۔ جذبہ شہوت کا اس طرح ظاہر ہونا خاوند بیوی کے رشتہ محبت کو واقعی مضبوط کرتا ہے۔ اسے کمزور نہیں کرتا لیکن ایک طرف تو حسب منشاء شہوت پرستی سے اور دوسری طرف شہوت کے خیال کو نا مناسب اور نا چیز لطف ماننے کے وہم میں پڑھ کر اس سے علیحدہ رہنے سے اکثر بدامنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور محبت میں کمی آ جاتی ہے یعنی مصنف کی

رائے میں شہوت پرستی سے اولاد تو پیدا ہوتی ہی ہے۔اس کے علاوہ اس میں خاوند بیوی کے درمیان محبت بڑھانے کی مذہبی خوبی بھی موجود ہے۔"

"اگر مصنف کی یہ بات سچ ہے تو مجھے حیرانگی ہے کہ آپ اپنے اس اصول کی تائید کس طرح کر سکتے ہیں کہ اولاد کی خواہش کے زیر اثر کیا ہوا جماع ہی ٹھیک اور مناسب ہے دوسرا نہیں۔میرا تو اپنا خیال یہ ہے کہ مصنف کی مندرجہ بالا بات بالکل سچ ہے۔کیونکہ اول تو وہ علم النفس کے مشہور ماہر ہیں۔دوسرے مجھے خود ایسے حالات کا پتہ ہے جبکہ ہم بستری کے ذریعہ محبت ظاہر کرنے کی قدرتی خواہش کو روکنے کی کوشش کرنے سے ہی خاونداور بیوی کی زندگی بےلطف اور خراب ہوگئی ہو۔"

"اچھا یہ خیال کیجئے کہ ایک نوجوان مرد ایک نوجوان عورت سے محبت کرتا ہے۔اور ان کا ایسا کرنا قدرتی اصول کے مطابق بھی ہے لیکن ان کے پاس اپنے بچہ کو تعلیم دینے کے لیے کافی روپیہ نہیں (مجھے یقین ہے کہ آپ اس سے اختلاف رائے نہ رکھتے ہوں گے کہ تعلیم وغیرہ دلانے کے ناقابل ہونے کی صورت میں اولاد پیدا کرنا گناہ ہے) یا یہ سمجھ لیجئے کہ اولاد پیدا کرنا عورت کی صحت کے لیے نقصان دہ ہے یا یہ کہ اس کے ہاں پہلے ہی کافی اولاد ہے۔"

"آپ کے بیان کے مطابق تو ان میاں بیوی کے لیے صرف دو ہی راستے ہیں پہلا تو یہ کہ وہ شادی کرنے کے باوجود بھی الگ رہیں لیکن اگر ایسا ہوگا تو ہیڈ فیلڈ کی

مندرجہ بالا دلیل کے مطابق بدامنی پیدا ہوگی۔ جس سے ان کی محبت کا رشتہ ختم ہو جائے گا دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ شادی نہ کریں لیکن اس حالت میں محبت تو جاتی ہی رہے گی'' اس کی وجہ یہ ہے کہ قدرت تو انسان کی کوششوں کو بیکار بنانے کی سعی کرتی ہی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔ لیکن اس جدائی سے بھی ان کے دلوں میں جذبہ شہوت تو اٹھتا ہی رہے گا اور اگر سماج کا ایسا قانون بنا دیا جائے جس سے سب لوگوں کے لیے اتنے ہی بچوں کی پرورش ممکن ہو جائے جتنے کہ وہ پیدا کر سکیں تو بھی سماج کو کثرت افزائش کا اور ہر ایک عورت کو حد سے زیادہ اولاد پیدا کرنے کا خوف تو لگا ہی رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے کو بہت روکنے کے باوجود سال میں ایک بچہ تو پیدا کر ہی لے گا آپ کو یا تو کنوارپن کی حمایت کرنی چاہیے یا نسل کشی کی۔ کیونکہ وقت وقتے پر کیے ہوئے جماع کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ جیسا کبھی کبھی پادریوں میں ہوا کرتا ہے۔۔۔۔ کہ خدا کی مرضی کے نام پر انسان کے ذریعہ پیدا شدہ ایک بچہ ہر سال پیدا کرنے سے عورت مر جائے۔

"جسے آپ ضبط اور پرہیزگاری کہتے ہیں۔ وہ قدرت کے کام میں اتنی ہی زیادہ دست اندازی ہے۔۔۔ اصل میں اس سے بھی زیادہ۔۔۔۔۔ جتنی کہ مانع حمل کے مصنوعی ذرائع ہیں ممکن ہے آدمی ان ذرائع کی مدد سے شہوت پرستی میں حد سے تجاوز کر جائے لیکن اس سے اولاد کی پیدائش تو رک جائے گی اور آخر کار ان کا دکھ اسی کو

بھگتنا پڑے گا کسی اور کو تو نہیں اس کے علاوہ جو لوگ ان مصنوعی ذرائع کا استعمال نہیں کرتے وہ بھی شہوت پرستی کی کثرت سے بچے ہوئے نہیں ہیں ان کے گناہوں کا نتیجہ صرف انہیں کو نہیں بلکہ اولاد کو بھی جس کی پیدائش کو وہ روک نہیں سکتے ہیں بھگتنا پڑتا ہے۔ انگلینڈ میں جو آجکل کانوں کے مالکوں اور مزدوروں کے درمیان جھگڑا چل رہا ہے اس میں کانوں کے مالکوں کی فتح لازمی ہے اس کی وجہ یہ کہ کانوں کے مزدوروں کی تعداد بہت زیادہ ہے اولاد پیدا کرنے کی آزادی سے صرف غریب بچوں کا ہی نقصان نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک بنی نوع انسان کا نقصان ہے۔''

اس خط میں دلی جذبات اور ان کے اثر کی اچھی واقفیت حاصل ہوتی ہے جب انسان کا دل رسی کو سانپ سمجھ لیتا ہے تب اس خیال کی وجہ سے وہ پیلا پڑ جاتا ہے اور یا تو وہاں سے بھاگ جاتا ہے یا خیالی سانپ کو مارنے کو لاٹھی اٹھاتا ہے۔ جب کوئی آدمی دوسرے کی بیوی کو اپنی بیوی مان بیٹھتا ہے۔ اس کے دل میں خواہشات نفسانی پیدا ہونے لگتی ہیں لیکن جس وقت وہ اسے پہچان کر اپنی یہ بھول جان لیتا ہے تو اسی وقت اس کے دل سے وہ گندے خیالات دور ہو جاتے ہیں۔

جن باتوں کا ذکر خط تحریر کنندہ نے کیا ہے۔ ان سے بھی یہی اصول مانا جا سکتا ہے جیسا کہ ممکن ہے جماع کی خواہش کو ناچیز اور نکمی ماننے کے وہم میں پڑ کر اس سے بچنے کے لیے اکثر لڑائی جھگڑے پیدا ہوں۔ اور محبت میں کمی واقع ہو جائے یہ تو

ایک قسم کے خیالات کا اثر ہوا لیکن اگر ضبط اور پرہیز گاری رشتہ محبت کو زیادہ مضبوط بنانے کے لیے رکھا جائے محبت کو پاک بنانے کے لیے اور ایک اچھے کام کے لیے منی جمع کرنے کے خیال سے کیا جائے تو وہ بدامنی کی بجائے امن پیدا کرے گا۔ اور محبت کی گانٹھ کو ڈھیلی نہ کرکے الٹا اسے مضبوط کرے گا۔ یہ دوسرے قسم کے خیالات کا اثر ہوا۔ جس محبت کی بنیاد خواہشات نفسانی پر رکھی جاتی ہے وہ آخر کار خودغرضی ہی ہے۔ اور تھوڑے سے دباؤ سے بھی وہ ٹھنڈی پڑسکتی ہے۔ پھر جب حیوانات اور پرندوں میں شہوت کو بجھانے کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو آدمیوں کے جذبہ شہوت کے بجھانے کا تعلق روحانیت سے کیوں جوڑا جاتا ہے۔ جو چیز جیسی ہے اسے ہم ویسے ہی کیوں نہ دیکھیں؟ یہ تو نسل کو قائم رکھنے کے لیے ایک عمل ہے جس کی طرف ہم زبردستی کھینچے جاتے ہیں لیکن انسان دوسروں سے ان باتوں میں کچھ مختلف ضرور ہے کیونکہ وہ ایک ایسا جاندار ہے جس کو خدا نے سوچ بچار کے لیے محدود آزادی دی ہے اور اس کے ذریعے انسان ترقی کے لیے حیوانات کی نسبت اعلیٰ معراج کو حاصل کرنے کے لیے (جس کے وہ دنیا میں آیا ہے) اپنے حواس پر مکمل قابو پانے کی طاقت رکھتا ہے عادات اور حالات کے بس میں ہوکر ہی ہم یہ ماننے لگ گئے ہیں کہ اولاد پیدا کرنے کی خواہش کے علاوہ بھی عورت کے ساتھ مباشرت ضروری ہے اور مباشرت سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے بہت سے لوگوں کا تو یہ تجربہ ہے کہ اولاد کی خواہش کے بغیر ہوئی مباشرت نہ تو محبت کو بڑھاتی ہے اور نہ محبت کو قائم رکھنے کے لیے یا اس کو پاک رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ دراصل ایسی مثالیں

بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔جن میں ضبط اور پرہیز گاری سے رشتہ محبت پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گیا ہے۔لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ضبط خاوند اور بیوی کو باہمی رضامندی سے اپنی اپنی روحانی ترقی کے لیے رکھنا چاہیے۔

انسان تو لگاتار ترقی کرنے والا یا روحانی طاقت کو ظاہر کر سکنے والا جاندار ہے۔ پھر جب وہ دوسروں پر اس کی فوقیت رکھتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی جسمانی ضروریات پر ہر روز زیادہ سے زیادہ قابو رکھے اس طرح شادی کو تو ایسی پاک اور مذہبی رسم سمجھنا چاہیے جو خاوند اور بیوی دونوں پر حکومت کرے اور ان کو اس اصول میں باندھ دے کہ صرف آپس میں ہی مباشرت کریں گے۔وہ صرف اس حالت میں جبکہ اولاد کی خواہش ہو اور دونوں اس کام کے لیے تیار ہوں اور رضامند ہوں پھر تو مندرجہ بالا خط کی دونوں باتوں میں خواہش اولاد کو چھوڑ کر مباشرت کرنے کا کوئی سوال اٹھتا ہی نہیں۔

جس طرح مندرجہ بالا خط تحریر کرنے والے صاحب خواہش اولاد کے علاوہ بھی مباشرت کو جائز اور ضروری قرار دیتے ہیں۔اگر اسی طرح ہم بھی کہنا شروع کریں۔ تو دلیل کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہے گی لیکن دنیا کے ہر حصہ میں چند اعلیٰ ہستیوں کے مکمل ضبط اور پرہیز گاری کی موجودگی میں مندرجہ بالا اصول کے لیے کوئی جگہ باقی ہی نہیں رہتی۔ یہ کہنا کہ ایسا ضبط بنی نوع انسان کے لیے مشکل ہے۔ضبط کی ضرورت اور ممکنات کے خلاف کوئی دلیل ہی نہیں ہو سکتی۔سو سال پہلے انسانوں کی ایک بڑی تعداد کے لیے جو بات ممکن تھی۔وہ آج ناممکن ہو گئی ہے۔اور یہ سو سال کا

عرصہ اس غیر محدود مدت کے سامنے جو جسمانی ترقی کے لیے باقی پڑا ہے۔ کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا اگر سائنس دانوں کا خیال درست ہے ابھی کل ہی تو ہم کو انسانی جامہ ملا تھا۔ اس کی حد کو کون جانتا ہے اور کس میں حوصلہ ہے کہ اس کی حد کو مقرر کر سکے۔ بلا شک ہم اچھے یا برے عمل کرنے کی لامحدود طاقت اس میں موجود پاتے ہیں۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ آپ ضبط ضروری ہے اور ممکن ہے تو اس کو عملی صورت دینے کے قابل بننے کے ذرائع تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جیسا کہ میں اپنے کسی پچھلے مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ اگر ہم ضبط اور پرہیز گاری سے رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی زندگی کا پروگرام تبدیل کرنا پڑے گا۔ لڈو ہاتھ میں بھی رہے اور پیٹ میں بھی چلا جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے اگر ہم آلات تناسل پر قابو پانا چاہتے ہیں تو دیگر حواس پر بھی قابو پانا ہی ہوگا۔ اگر ہاتھ، پاؤں، ناک، کان، آنکھ وغیرہ کی باگ ڈور ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو آلات تناسل پر قابو پانا ناممکن ہے۔ جھگڑا، چڑ چڑا پن، ہسٹیریا، ضدی پن وغیرہ جس کے لیے لوگ کنوار پن کو قصوروار ٹھہراتے ہیں دراصل آخر کار ان حواس کے بے قابو ہونے کا ہی نتیجہ ثابت ہوں گے کوئی بھی گناہ کر کے یا قانون قدرت کو توڑ کر اس کا نتیجہ بھگتے بغیر رہ نہیں سکتا۔

میں لفظی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ اگر کنوار پن اور ضبط بھی قانون قدرت کے ٹھیک ویسا ہی خلاف ہے جیسے مانع حمل کے مصنوعی ذرائع ہیں تو بیشک ایسا کہا جائے لیکن میرا خیال پھر بھی بنا رہے گا۔ ان دونوں میں پہلی بات کے لیے قانون قدرت

کونظر انداز کرنا انسان فرض ہے اور ضروری فرض ہے کیونکہ ایسا کرنے سے شخصی اور مجلسی ترقی ہوتی ہے اس کے خلاف دوسری بات کے لیے قانون قدرت کوتوڑنے سے دونوں کی اخلاقی گراوٹ آتی ہے۔ مانع حمل کا ایک ہی ٹھیک سچا راستہ ہے وہ ہے مجرد یپن مباشرت کے ساتھ کثرت افزائش کو روکنے کے مصنوعی ذرائع کے استعمال سے تو انسانی نسل ہی خراب ہوجائے گی۔

آخر میں اگر کانوں کے مالک نامناسب راستہ پر چلتے ہوئے بھی جیتیں گے تو اس لیے نہیں کہ مزدوروں میں بچوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے بلکہ اس لیے کہ مزدوروں نے ایک بھی حواس پر قابو اور ضبط پانے کا سبق نہیں پڑھا۔ اگر ان لوگوں کے اولاد نہ ہوتی تو ان میں نہ تو ترقی کرنے کے لیے حوصلہ ہی ہوتا اور نہ پھر ان کو تنخواہوں میں اضافہ کرانے کا کوئی بہانہ ہی ملتا۔ کیا شراب پینے، جوا کھیلنے یا تمباکو پینے کے بغیر ان کا کام نہیں چل سکتا؟ کیا یہ کوئی معقول جواب ہوگا۔ کہ سرمایہ سب عیبوں کو رکھتے ہوئے بھی ان پر حکومت کرتے ہیں؟ اگر مزدور لوگ سرمایہ داروں سے بہتر ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتے تو ان کو دنیا کی ہمدردی حاصل کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ کیا اس لیے کہ سرمایہ داروں کی تعداد بڑھے اور سرمایہ داروں کے ہاتھ مضبوط ہوں۔ ہمیں یہ امید دلا کر جمہوریت کا ڈھول پیٹنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ کہ جب جمہوریت دنیا میں قائم ہوجائے گی تو ہمارے اچھے دن آجائیں گے اس لیے ہمیں مناسب ہے کہ ہم ان خرابیوں کو آپ ہی نہ پھیلائیں جن کو ہم سرمایہ داروں کی سرمایہ داری میں نکالتے ہیں۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کنوارپن کی پابندی آسانی کے ساتھ نہیں کی جاسکتی لیکن اس کی سست رفتاری سے ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے۔ جلد بازی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا عوام کے سامنے بڑا بھاری کام پڑا ہے۔ ان کو کنوارپن کا وہ سبق اپنی زندگی کے پروگرام سے نکال نہ دینا چاہیے جو کہ دنیا کے بڑے بڑے استادوں نے اپنے قیمتی تجربات سے ہم کو پڑھایا ہے۔ جن بنیادی اصولوں کی تعلیم انہوں نے ہمیں دی ہے ان کے تجربات آج کل کی تجربہ گاہوں کی نسبت کہیں زیادہ بہتر اور مکمل تجربہ گاہوں میں کیے گئے تھے اور ان میں ہر ایک نے ہمیں ضبط اور پرہیز گاری کی ہی تعلیم دی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

انیسواں باب

مذہبی دقت

"میں تیس برس کا ایک شادی شدہ آدمی ہوں میری بیوی کی بھی تقریباً یہی عمر ہے ہمارے ہاں پانچ بچے ہوئے لیکن خوش قسمتی سے مر گئے ہیں میں اپنے باقی بچوں کے متعلق اپنی ذمہ داری اچھی طرح سمجھتا ہوں لیکن اس ذمہ داری کو پورا کرنا اگرنا ممکن نہیں تو میرے لیے مشکل ضرور ہے آپ نے ضبط اور پرہیزگاری کی رائے دی ہے میں پچھلے تین سال سے اس پر عمل کر رہا ہوں لیکن اپنی بیوی کی مرضی کے سخت خلاف وہ تو اسی چیز کو مانگتی ہے جسے عام لوگ زندگی کا لطف کہتے ہیں آپ اتنے اونچے ہو کر بیشک اس کو گناہ کہہ سکتے ہیں لیکن وہ تو اس معاملہ پر آپ والے نقطۂ نظر سے نہیں دیکھتی اور نہ اسے کثرت افزائش کا ہی ڈر ہے۔ اس میں ذمہ داری کا احساس نہیں جو کہ مجھ میں ہے اور جس کی وجہ سے میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں میرے والدین میری نسبت میری بیوی کی زیادہ طرفداری کرتے ہیں اور ہر روز گھر میں لڑائی جھگڑا رہتا ہے۔"

مباشرت کی خواہش پوری نہ ہونے کی وجہ سے میری بیوی کا مزاج چڑچڑا ہو گیا

ہے اور اس کو جلدی غصہ آ جاتا ہے وہ تھوڑی سی بات پر تلملا اٹھتی ہے اب میرا سوال یہ ہے کہ میں اس مشکل کو کیسے حل کروں؟ میری بساط سے زیادہ میرے گھر میں اولاد ہے ان کی پرورش کے لیے میرے پاس پیسہ نہیں ہے بیوی کو سمجھانا بالکل ناممکن معلوم ہوتا ہے اگر اس کی خواہش نفسانی کو پورا نہ کیا جائے تو یہ ڈر ہے کہ وہ کہیں چلی نہ جائے یا پاگل ہو جائے یا ممکن ہے کہیں خودکشی ہی نہ کرے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ اگر اس ملک کا قانون مجھے اجازت دیتا تو میں اسی طرح بلا خواہش کے پیدا شدہ بچوں کو گولی سے مار دیتا۔ جس طرح آپ لاوارث کتوں کو مرواتے ہیں پچھلے تین ماہ میں مجھے دن رات میں دو وقت کھانا نصیب نہیں ہوا۔ ناشتہ یا کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں مل سکا۔ میرے ذمہ ایسے کام دھندے بھی لگے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے لگاتار روزہ بھی نہیں رکھ سکتا۔ میری بیوی تو مجھ سے کچھ ہمدردی رکھتی نہیں کیونکہ وہ مجھے خبطی یا پاگل سا سمجھتی ہے کثرت افزائش کو روکنے کے اصول سے میں واقف ہوں یہ اصول نہایت دل لبھانے والے ڈھنگ سے بیان کئے گئے ہیں اور میں نے کنوار پن اور ضبط پر آپ کی کتاب بھی پڑھی ہے۔ لیکن میں تو یہاں شیر اور مگرمچھ دونوں کے بیچ میں پڑا ہوں۔

میں خط تحریر کنندہ کو بہت دنوں سے جانتا ہوں وہ جوان ہیں انہوں نے اپنا پورا پتہ خط میں تحریر کیا ہے ان کا خط کا سارا مطلب اوپر دیا گیا ہے اپنا نام لکھتے ہوئے وہ ڈرتے تھے اس لیے اس خیال سے کہ کہیں میں ان کا ذکر ینگ انڈیا میں نہ کروں انہوں نے مجھے دو گمنام خطوط بھی تحریر کیے تھے ایسے گمنام خطوط مریے پاس اس قدر

زیادہ تعداد میں آتے ہیں کہ ان پر بحث کرنے سے میں ہچکچاتا ہوں۔اسی طرح سے اس پر بھی بحث کرنے میں مجھے کچھ پس وپیش ہے۔اگرچہ میں جانتا ہوں کہ یہ خط سچا ہے اور ایک ایسے شخص کا لکھا ہوا ہے جو اپنے متصد کے لیے لگاتار کوشش کر رہا ہے یہ مضمون ہی بڑا نازک ہے لیکن میں تو دعویٰ کرتا ہوں کہ ایسے مضامین کا مجھے کافی تجربہ ہے ایسا دعویٰ کرتے ہوئے اور خاص کر اس لیے کہ کئی ایسے ہی معاملوں میں میرے طریقہ سے لوگوں کو چھٹکارا ملا ہے۔میں اس فرض کو پورا کرنے سے دل نہیں چرا سکتا۔

جہاں تک انگریزی پڑھے لکھے لوگوں کا تعلق ہے۔یہاں کی حالت دو چند مشکل ہے۔مجلسی قابلیت کے لحاظ سے خاوند اور بیوی میں اتنا زیادہ فرق ہوتا ہے کہ جسے مٹانا ناممکن ہے کچھ نوجوان ایسا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ اپنی بیوی کا خیال نہ ہی کرنے میں ہم نے یہ سوال حل کرلیا ہے اگرچہ ان کو پوری طرح معلوم ہے کہ ان کی برادری میں طلاق ممکن نہیں ہے اور اس لیے ان کی بیویاں دوبارہ شادی نہیں کرسکتیں اور بھی کچھ لوگ ہیں (اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے) جو اپنی بیویوں کو صرف عیش پرستی کا آلہ کار بناتے ہیں اور ان کو اپنی روحانی زندگی میں حصہ نہیں لینے دیتے بہت ہی تھوڑے ایسے آدمی ہیں؟ جن کی روح جاگی ہے۔(لیکن ان کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی ہے) ان کے سامنے بھی ویسا ہی اخلاقی پیچیدہ مسئلہ آپڑا ہے جیسا کہ خط تحریر کنندہ کے سامنے ہے۔

میری رائے اگر مباشرت کو جائز یا اصول کے مطابق ماننا ہے تو اس کی اجازت

اسی وقت دی جا سکتی ہے جبکہ طرفین اس کی خواہش کریں۔خاوند کو بیوی سے یا بیوی کو خاوند سے اپنی خواہش نفسانی کو زبردستی سیر کرانے کے حق کو میں نہیں مانتا۔اور اگر میرا یہ خیال درست ہے تو خاوند پر کوئی ایسا اخلاقی دباؤ نہیں ہے کہ جس سے وہ اپنی بیوی کی خواہش پورا کرنے کے لیے مجبور ہو لیکن اس طرح انکار کرنے سے خاوند پر اور بڑی بھاری اور اونچی ذمہ داری آ پڑتی ہے وہ اپنے آپ کو بڑا عامل مانتا ہوا اپنی بیوی کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا بلکہ عاجزی اور حلیمی کے ساتھ یہ مانے گا کہ جو بات اس کے لیے غیر ضروری ہے وہ اس کی بیوی کے لیے نہایت ضروری ہے اس لیے وہ اس کے ساتھ نہایت نرمی کا سلوک کرے گا اور اپنی پاکیزگی میں وہ یقین رکھے گا کہ اس کی بیوی اپنی خواہشات نفسانی کو نہایت اعلیٰ درجے کی طاقت میں تبدیل کر سکے گی۔اس لیے اسے اپنی بیوی کا سچا خاوند اور طبیب بننا پڑے گا۔بیوی میں اس کو مکمل یقین رکھنا ہو گا۔اس سے کچھ بھی چھپانا نہ ہو گا اور لگاتار صبر و استقلال کے ساتھ اسے اپنی بیوی کو اس کام کی اخلاقی اہمیت جتلانی ہو گی۔یہ بتلانا ہو گا کہ خاوند اور بیوی میں دراصل کیسے تعلقات ہونے چاہئیں اور شادی کے اصلی معنی کیا ہیں یہ کام کرتے ہوئے وہ دیکھے گا کہ پہلے جو بہت سی باتیں واضح نہیں تھیں وہ اب واضح اور صاف ہو گئی ہیں اور اگر اس کا اپنا کنوارپن اور ضبط سچا ہو گا تو وہ اپنی بیوی کو اپنے اور بھی نزدیک کھینچ لے گا۔

اس بات کے متعلق تو مجھے کہنا ہی پڑے گا کہ کثرت افزائش سے بچنے کی خواہش ہی بیوی کو خواہشات کو پورا کرنے سے انکار کرنے کا کافی بہانہ نہیں ہے۔صرف

بچوں کی پرورش کے ڈر سے بیوی کی درخواست کو نامنظور کرنا تو بزدلی معلوم دیتی ہے۔ کثرت افزائش کو روکنے کا طرفین کے لیے علیحدہ علیحدہ یا مشترکہ طور پر اپنی شہوت پرستی کو لگام دینے کے لیے اچھا بہانہ ہے لیکن خاوند بیوی سے کس ایک کا اکٹھا سونے کا حق چھیننے کی یہ معقول وجہ نہیں ہے۔

اور آخر کار بچوں سے اتنی گھبراہٹ ہی کس لیے ہو؟ ایماندار محنتی اور عقلمند آدمیوں کے لیے کئی بچوں کی پرورش ہرگز بھی ناممکن نہیں۔ وہ اتنی کمائی کرسکتا ہے جس میں سے ان کی پرورش کی گنجائش نکل سکتی ہے میں مانتا ہوں کہ مندرجہ بالا خط تحریر کنندہ جیسے آدمی کے لیے جو ملکی خدمت میں اپنا سارا وقت لگانے کی حقیقی کوشش ایمانداری کے ساتھ کرتا ہے۔ بڑھے اور بڑھتے ہوئے خاندان کی پرورش کرنا اور ساتھ ہی میں ملک کی خدمت بھی کرنا جہاں کہ کروڑوں آدمی بھوکے ہیں مشکل ہے۔ میں نے ان مضامین میں اکثر لکھا ہے کہ جب تک ہندوستان غلام ہے یہاں اولاد پیدا کرنا ہی غلطی ہے لیکن یہ تو غیر شادی شدہ لڑکے اور لڑکیوں کے لیے شادی نہ کرنے کی ایک نہایت اعلیٰ وجہ ہے۔ خاوند اور بیوی کے لیے ایک دوسرے سے تناسلی تعلقات قطع کرنے کی کافی وجہ نہیں ہے۔ ہاں قطع تعلق کرنا یعنی مباشرت نہ کرنا بھی جائز ہوسکتا ہے بلکہ نہ کرنا ہی مذہب ہوجاتا ہے جب کہ خالص مذہب کے نام پر کنوارپن کی پابندی کی خواہش ناقابل برداشت ہوجائے۔ جب سچ مچ ایسی خواہش پیدا ہو جائے گی۔ تو اس کا بڑا اچھا اثر دوسرے پر بھی پڑے گا۔ اگر بالفرض مان بھی لیں کہ وقت پر اس کا اچھا اثر نہ بھی پڑا۔ تو بھی زندگی کے ساتھی کے پاگل ہوجانے یا مر

جانے کے خطرہ میں پڑ کر بھی کنوار پن کی پابندی مذہب بھی جاتی ہے۔ کنوار پن کے لیے بھی ویسی ہی قربانی کی ضرورت ہے جیسی کہ سچائی یا ملکی ترقی کے لیے ہے میں نے اوپر جو کچھ لکھا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی کہ مانع حمل کے لیے مصنوعی ذرائع کا استعمال کرنا غیر قدرتی اور بعید از اخلاق ہے۔ میرے دلائل کے نیچے زندگی کے جو معنی چھپے ہوئی ہیں ان میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

بیسواں باب

پیدائش در پیدائش

''اوپن کورٹ'' نام کے ایک انگریزی ماہوار رسالہ میں ولیم لوفٹس ہیر کے اس مسئلہ پر لکھے ایک مضمون کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

علیم حیوانات مسئلہ پیدائش

ایک سیل (Cell) والے جانوروں کا خوردبین کے ذریعے تجربہ کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ نہایت چھوٹے جانداروں میں ارتقائے نسل کے لیے جسموں کے ٹکڑے خودبخود ہو جاتے ہیں۔ پرورش پانے سے ایسے جانداروں کے اجسام بڑھ جاتے ہیں اور جب وہ اپنی ہم قوم کی نسبت بڑا ہو جاتا ہے تو اس کے دو ٹکڑے ہونے لگتے ہیں اور آہستہ آہستہ جسم کے ہی دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ عام سہولتیں یعنی پانی اور خوراک ملتے رہنے پر پتہ لگتا ہے کہ ان کی زندگی اسی ہیر پھیر میں ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ مندرجہ بالا سہولتیں نہ ملنے پر دو سیل کا ایک میں مل کر دوبارہ جوان ہو جاتا ہے لیکن اس کے ملنے پر اولاد پیدا نہیں ہوتی۔

ایک سے زیادہ سیل والے جانداروں میں یہی پرورش اور ارتقائے نسل کے عمل

ایسے ہی ہوتے ہیں۔ لیکن ایک اور نیا عمل دیکھنے میں آتا ہے جسم کے مختلف سیل مختلف کام کرتے ہیں کچھ خوراک حاصل کرتے ہیں کچھ اسے بانٹنے کا کام کرتے ہیں کچھ حرکت پیدا کرنے کے لیے ہیں کچھ حفاظت کے لیے جیسے چمڑا۔ وہ سیل جسم ٹوٹنے کے شروع کے عمل کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جن کو کچھ نئے کام ملتے ہیں۔ لیکن کچھ ایک کے لیے جنہیں جسم میں کچھ اندرونی جگہ ملتی ہے وہ کام بچا رہتا ہے۔ دوسرے سیل جن میں تبدیلی ہو چکی ہے ان کی حفاظت اور خدمت کرتے ہیں لیکن یہ ویسے کے ویسے ہی بنے رہتے ہیں۔ ان میں ٹکڑے پہلے جیسے ہی ہوتے ہیں لیکن ہوتے ہیں ایک سے زیادہ سیل والے جسم کے اندر ہی اور وقت پا کر کچھ تو باہر بھی نکال دیئے جاتے ہیں۔ پھر بھی انہیں ایک نئی طاقت مل جاتی ہے اپنے باپ دادا کی طرح دو ٹکڑے ہو جانے کی بجائے ان کے سیل کی ترقی علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہوئے بغیر ہی ہوتی ہے۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک وہ جاندار اپنی قسم کے جانداروں کی نسبت مکمل طور پر ترقی نہیں کر جاتا۔ لیکن اس کے جسم میں ہم ایک نئی بات دیکھ پاتے ہیں وہ یہ کہ اعلیٰ درجے کے جراثیم کا کام صرف بیرونی پیدائش کا ہی نہیں رہ جاتا بلکہ اندرونی سیل کو پیدائش کے لیے بھی وہ جہاں کہیں ضرورت پڑتی ہے سیل دیا کرتے ہیں۔ اس طرح یہ سیل جو کہ کسی خاص کام کے لیے مخصوص نہیں ہوتے۔ ایک ساتھ ہی دو کام کرتے ہیں یعنی اندرونی ترقی یا جسمانی ترقی اور بیرونی ترقی یا ارتقاء نسل کا کام یہاں ہم اندرونی ترقی یعنی جسمانی اور بیرونی ترقی یا ارتقاء نسل یا پیدائش اولاد کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اندرونی ترقی یعنی جسمانی ترقی

انسان کے لیے نہایت ضروری ہے اس لیے یہ انسان کا فرض اولین ہے بیرونی ترقی یعنی ارتقائے نسل کا کام تو سیل کے بڑھنے سے ہی ہوگا۔ اس لیے اس کا درجہ دوسرا ہے اور اس کی اہمیت پہلے کام کی نسبت کم ہے ویسے تو دونوں کا ہی انحصار خوراک اور پرورش پر ہے کیونکہ اگر خوراک پوری نہ ملے تو اندرونی ترقی (جسمانی ترقی) کا کام ٹھیک نہ ہو سکے گا اور نہ سیل کی تعداد ہی بڑھے گی اور ارتقائے نسل کی نہ تو ضرورت ہی رہے گی اور نہ یہ ممکن ہی ہوگا اس لیے زندگی کا اصول یہ ہے کہ اس حالت میں پہلے جسمانی ترقی کے لیے سیل کی پرورش کی جائے اور اس کے بعد ارتقائے نسل کے لیے اگر پرورش پورے طور پر نہ ہو سکے تو اس پر پہلا حق اندرونی ترقی یعنی جسمانی کا ہوگا اور اس لیے ارتقائے نسل کا عمل بند کرنا ہوگا اس طرح ہم ارتقائے نسل (اولاد کی پیدائش) کی روک تھام کے اصول کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور اس کی سابقہ حالتوں یعنی کنوارپن اور پرہیزگاری تک پہنچ سکتے ہیں۔ اندرونی ترقی کا عمل کبھی رک نہیں سکتا اور اس کے رکنے کے معنی ہیں موت اور اس طرح ہم موت کی وجہ کا بھی پتہ لگا لیتے ہیں۔

علیم حیوانات اور اندرونی ترقی کا مسئلہ

انسانوں اور حیوانات میں آلات تناسل کا اختلاف اپنی آخری حد کو پہنچ گیا ہے اور ایک عام اصول بن گیا ہے ان جانداروں پر غور کرنے سے پہلے ہمیں ان کی درمیانی حالت کو دیکھنا پڑے گا یعنی وہ حالت ہے جو کہ ایک سیل کے بعد کی اور

دونوں قسم کے آلات تناسل کے ظہور میں آنے سے پہلے کی ہوتی ہے اس حالت میں دونوں قسم کے آلات مشترکہ ہوتے ہیں یعنی نر اور مادہ دونوں کے اوصاف اکٹھے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اب بھی کچھ ایسے جاندار ہیں جن میں یہ حالت دکھائی دیتی ہے ان میں اندرونی سیل کی ترقی تو اسی طرح ہوتی ہے لیکن کچھ سیل جسم سے بالکل نکل جانے کی بجائے ایک عضو سے دوسرے اعضاء میں چلے جاتے ہیں اور ان کی پرورش وہیں پر ہوتی رہتی ہے جب تک وہ آزاد زندگی گزارنے کے قابل نہیں بن جاتے۔

ارتقائے نسل کا اصول یہ جان پڑتا ہے کہ خواہ ایک سیل والے جاندار ہوں خواہ ایک سے زیادہ سیل والے یا مشترکہ آلات تناسل والے لیکن سبھی حالتوں میں نسل کی ترقی اور پھیلاؤ وہاں تک ہونا ممکن ہے جہاں تک کہ ان کے ماں باپ ان کی پیدائش کے وقت تک کر چکے تھے اس طرح یہ تو ذاتی ترقی ہی ہوئی جب کبھی اسے اولاد پیدا ہوتی ہے تو وہ خود ہی پہلے سے نہایت اعلیٰ حالت میں پہنچ جاتا ہے یا پہنچ جاتا ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی اولاد اپنے ماں باپ کی معمولی ترقی کو حاصل کر سکے گی ہر ایک نسل اور ذات کے لیے قوت پیدائش کی میعاد الگ الگ ہو گی۔ لیکن مناسب طور پر تو وہ جوانی کی حالت سے لے کر بڑھاپا شروع ہونے تک ہوتی ہے۔ وقت سے پہلے یا بڑھاپے میں اولاد پیدا ہونے سے اولاد میں والدین کی کمزوری کا بھی اثر ضرور ہوگا۔ مندرجہ بالا باتوں سے جسمانی اصولوں کے مطابق ہم جماع کا ایک ہی اصول دیکھتے ہیں۔ ارتقائے نسل کے خیال سے اور جسم کی اندرونی

ترقی کے خیال سے اولاد پیدا کرنے کے لیے سب سے زیادہ مناسب وقت صرف پوری جوانی ہی ہے۔

یہاں ایک بات دھیان کے قابل ہے مشترکہ آلات والے جانداروں کے ساتھ ایک نئی بات دیکھنے میں آتی ہے وہ یہ کہ دونوں آلات صرف الگ الگ ہی نہیں رہتے بلکہ آزادی سے اپنی اپنی منی کے سیل بھی بناتے جاتے ہیں نر حصہ تو پرانا اندرونی ترقی کا کام منی کے سیل کو بنا کر کرتا ہی رہتا ہے۔ جنہیں باہر نکال کر مادیں حصہ میں داخل کرانے کی وجہ سے منی کے جراثیم کہتے ہیں اور مادیں حصہ بھی اپنے سیل بناتا ہی رہتا ہے۔ لیکن نر کی سیل کو حمل کے لیے رکھ لیتا ہے باہر نہیں نکال دیتا ہر حالت میں شخصی طور پر اندرونی ترقی یا جسمانی ترقی کا نمبر اول ہے اور نہایت ضروری کام ہے حمل کے بعد ہر لمحہ جاندار کی اندرونی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ انسانوں میں جوانی کی حالت میں اولاد پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن صرف نسل کے لیے اس سے کسی خاص شخص کو فائدہ پہنچانا ضروری نہیں ادنیٰ درجے کے جانداروں کی طرح یہاں بھی اگر اندرونی ترقی کا عمل رک جائے یا ٹھیک نہ چلے تو بیماری یا موت آئے گی۔ یہاں بھی ذاتی فائدہ کی اور ساری قوم کے فائدہ کی آپس میں ٹکر ہوتی ہے اگر سیل ترقی نہ کرتے ہوں تو ارتقائے نسل کے لے سیل دے کر کام کرنے سے اندرونی ترقی کے کام میں رکاوٹ ضرور ہی پڑے گی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مہذب انسانوں میں ارتقائے نسل کی ضرورت سے بہت زیادہ جماع کرنے کا رواج پڑا ہوا ہے اور وہ بھی اندرونی ترقی کو خطرے میں ڈال کر جس کی وجہ سے امراض موت اور دوسری تکالیف

آ کر حملہ کرتی ہیں۔

آؤ! انسانی جسم کا وہم ذرا اور غور سے مطالعہ کریں مثال کے طور پر ہم آدمی کے جسم کو لیتے ہیں اگر چہ ضروری ہیر پھیر کے ساتھ عورت کے جسم میں بھی وہی باتیں دکھائی دیتی ہیں۔

منی کے سیل (Cell) کا مرکزی سیل ہی روح کی سب سے پرانی اور اعلیٰ جگہ ہے۔ شروع سے ہی حمل میں ٹھہری ہوئی روح سیل کے بڑھنے سے جو کہ والدین کے جسموں سے پرورش پاتے ہیں ہر وقت بڑھتی رہتی ہے یہاں بھی زندگی کے لیے یہی اصول قائم ہوا کہ ''منی کے سیل کی پرورش کرو'' جب وہ زیادہ بڑھ جاتے ہیں تو ضرورت کے مطابق وہ غیر مقررہ نئی صورت اختیار کر لیتے ہیں یا نیا کام کرتے ہیں پیدائش کے بعد بھی اس میں کوئی فرق ہی نہیں پڑتا پہلے منی کے سیل کی خوراک ناف کی نالی کے ذریعہ سے ملتی تھی وہ اب منہ کے راستے ملنے لگتی ہے وہ تعداد میں جلدی جلدی بڑھنے لگتے ہیں اور جہاں کہیں پرانے اعضاء کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہوئی جو ہمیشہ بنی ہی رہتی ہے۔ وہاں وہ استعمال کیے جاتے ہیں نسوں اور ناڑیوں کے ذریعے یہ سارے جسم میں پھیلائے جاتے ہیں بڑے بڑے گروہوں میں تقسیم ہو کر وہ ضروری کام سنبھال لیتے ہیں اور جسم کے مختلف اعضاء کی پرورش کرتے ہیں وہ ہزاروں دفعہ موت کے منہ میں جاتے ہیں جس سے کہ ان کی اپنی سیل کی سوسائٹی زندہ رہے۔ مردہ سیل جسم کی تہ پر آ جاتے ہیں اور خاص کر ہڈیوں، دانتوں، چمڑے اور بالوں کو مضبوط بنانے کے کام میں آتے ہیں جس سے جسم کی طاقت بڑھے اور

ٹھیک حفاظت ہو۔ جاندار کی اپنی ذاتی اعلیٰ زندگی اور اس پر جن باتوں کا دارومدار ہے ان سب کی قیمت ان کی موت سے چکائی جاتی ہے۔ اگر وہ پرورش نہ پائیں دوسرے سیل کو پیدا نہ کریں الگ الگ نہ ہو جائیں مختلف گروہوں میں تقسیم نہ ہوں اور آخر کار مر نہ جائیں تو جسم قائم ہی نہیں رہ سکتا۔

منی سے دو طرح کی زندگی ملتی ہے 1 اندرونی ترقی یعنی جسمانی ترقی 2 بیرونی ترقی یعنی ارتقائے نسل جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں جسم کی صحت کا دارومدار اندرونی ترقی پر ہے۔ اس کا اور بیرونی ترقی یعنی ارتقائے نسل کا انحصار ایک بات پر ہے۔ اس لیے یہ آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خاص خاص حالتوں میں یہ دونوں عمل ایک دوسرے کے لیے دشمن ثابت ہو جائیں۔

اندرونی ترقی اور جمادات

اندرونی ترقی کا عمل مشین کی طرح نہیں ہے ابتدا میں سیل کے بننے سے اندرونی ترقی کا جیسا اچھی طرح پہلے کام ہوتا تھا۔ ویسا ہی اچھی طرح اب بھی ہوتا ہے یعنی اس کا دارومدار عقل اور خواہش پر ہوتا ہے لیکن یہ خیال کرنا ناممکن ہے کہ زندگی کا کام بالکل بے جان مشین کی طرح ہوتا ہے ہاں یہ سچ ہے کہ بنیادی اصول ہماری موجودہ واقفیت سے اتنی دور جا پڑے ہیں کہ وہ انسان وحیوان کی خواہش کے زیر اثر نہیں جان پڑتے۔ لیکن ایک لمحہ کے بعد ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ جس طرح ایک طاقتور اور توانا آدمی کے بیرونی اعمال کو اس کی خواہش قابو میں کرتی ہے اسی طرح جسم کی

لگاتار ہونے والی مضبوطی پر بھی خواہش یعنی قوت خیال کا بھی زور ضرور ہونا چاہیے۔۔۔۔ ماہران علم الخیال نے اس کا نام نامکمل ارادہ رکھا ہے۔ یہ ہمارے روزانہ کے اخلاقی خیالات سے علیحدہ ہوتے ہوئے بھی ہمارا ہی ایک خاص جز ہے۔ یہ اپنے کام میں اتنا ہوشیار اور خبردار ہے کہ ہماری روح تو کبھی کبھی خواب کی حالت میں پڑ جاتی ہے لیکن وہ ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں سوتا۔ ہمارے جسم کا جو نقصان لطف اٹھانے کے لیے کیے گئے جماع سے ہوتا ہے اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے اندرونی ترقی کا نتیجہ موت ہے شہوت پرستی انسان کے لیے زہر قاتل ہے اور حمل رہنے کی وجہ سے عورت کے لیے بھی ویسی ہی ہے۔

پھر روح ہی وہ زندہ طاقت ہے جو اندرونی ترقی کے مشکل کاموں کو سرانجام دیتی ہے اس کا پہلا کام حمل میں آئی ہوئی روح کے جسم کو دوسرے سیل سے الگ کرنا ہے۔ اس کے بعد سے وہ روح کے جسم کو منی کے سیل کو اپنے اندر لے کر اور ان کو اپنے سارے جسم کے اعضاء میں بھیج کر موت کے آنے تک زندہ رکھتی ہے۔

یہاں شاید مجھے کئی عالموں کی رائے کے خلاف جاتا ہوا کہا جائے لیکن میری سمجھ میں روح کا تعلق صرف کسی ذات سے ہوتا ہے تمام سماج یا قوم سے نہیں ہوتا یعنی اس کا پہلا کام ہے۔ اندرونی ترقی ایک صورت میں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ روح کا تعلق تمام سماج یا قوم کے ساتھ ہے جہاں تک روح ایک شخص کی یا ذات کی ترقی کر سکا ہے اسے جیسا بنا سکا ہے اس کو ویسا ہی بنائے رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ ناممکن کو ممکن نہیں بنا سکتا روح کی مدد سے بھی وہ جسم رکھنے والے کی زندگی ہمیشہ کے لیے قائم

نہیں رکھ سکتا۔ اس لیے جماع کی خواہش کے ذریعے وہ اپنے آپ کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہاں پر چتین اوراچتین ملے ہوئے سے معلوم دیتے ہیں جماع سے عام طور پر جو لطف حاصل ہوتا ہے اس کو ذاتی سکھ کے علاوہ کسی دوسرے مطلب کی برابری کہا جا سکتا ہے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے کسی شخص یا ذات کو پتہ نہیں کہ اسے کتنی زیادہ قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

پیدائش اور موت

اس مضمون میں بڑے بڑے ماہروں کے مضامین کے اقتباسات دینا تو ٹھیک نہیں لیکن اس کی اہمیت اور ناواقفیت کی وجہ سے مجھے لاچار ہو کر کچھ ضروری اقتباسات دینے پڑتے ہیں۔ ایک سیل والے جانداروں کے متعلق رے میکسٹر صاحب لکھتے ہیں۔

> ان میں جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے سے نقل کی ترقی ہوتی ہے اور اس طرح کے جانداروں میں قدرتی موت کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

وائس مین صاحب لکھتے ہیں:

> قدرتی موت تو صرف ایک سے زیادہ سیل والے جانداروں میں ہوتی ہے ایک سیل والے جاندار ان سے بچ جاتے ہیں ان کی ترقی کبھی نہیں رکتی جس کا مقابلہ ہم موت سے کر سکیں اور نہ ہی نیا جسم بننے کے

یہ معنی ہیں کہ پرانا جسم مر گیا۔ ٹکڑے ہونے سے دونوں ہی برابر عمر والے ہیں نہ کوئی پرانا ہے اور نہ کوئی نیا۔ اس طرح سے ایک ایک جاندار کی بیشمار جماعتیں بنتی رہتی ہے جن میں ہر ایک اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ وہ ساری قوم اور ہر ایک کو غیر محدود عرصہ تک جینے کی طاقت ہوتی ہے اس کے ٹکڑے ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں لیکن وہ کبھی مرتا نہیں۔

پیٹرک گڈس صاحب لکھتے ہیں:

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ نئے جسم پانے کی قیمت موت ہے نئے جسم پانے کی قیمت کبھی نہ کبھی موت کی شکل میں دینی پڑتی ہے کاموں کے مختلف ہونے سے جن میں شکلوں کا اختلاف ہے ایسے سیل کے گروہ کو جسم کہتے ہیں ایسے جسم کا ناش ضروری ہوتا ہے۔ وائس مین کے ان پر معنی الفاظ پر پھر دھیان دیں اس طرح سے جسم تو کسی حد تک وہ صرف زندگی کی بنیاد یعنی منی کے سیل کو ڈھونڈنے والا یعنی ان کا بوجھ اٹھانے والا معلوم ہے۔

رے میکر صاحب کا بھی یہی خیال معلوم دیتا ہے ایک زیادہ سیل والے جانداروں میں جسم کے اور اعضاء سے کچھ سیل الگ ہو جاتے ہیں۔۔۔۔ اعلیٰ درجے کے جانداروں کے جسم جو مرنے والے ہوتے ہیں اس نقطہ نگاہ سے نہایت غیر ضروری اور بہت تھوڑی دیر زندہ رہنے والے مانے جا سکتے ہیں جن کا کام ہے اپنے سے زیادہ ضروری اور ہمیشہ والے منی کے جراثیم کو صرف کچھ دنوں کے لیے اٹھائے اٹھائے پھرنا۔

لیکن ہمارے سامنے سب سے زیادہ حیران کن اور ضروری بات ہے اعلیٰ درجے کے جانداروں میں ارتقائے نسل اور موت میں گہرا تعلق۔ اس مضمون پر کتنے ہی سائنس دان خوب وضاحت سے لکھتے ہیں:

ارتقائے نسل کا بدل موت ہے

کئی قسم کے جانداروں میں یہ بات بالکل صاف طور پر دکھائی دیتی ہے جن میں کہ اولاد پیدا کرتے ہی ماں یا باپ کو اکثر جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اولاد پیدا کرنے کے بعد زندہ رہنا تو زندگی کی فتح ہے جو ہمیشہ حاصل نہیں ہوتی اور کسی کسی قسم کے جانداروں میں کبھی نہیں ہوتی۔ مشہور شاعر گوئٹے نے موت پر جو مضمون لکھا ہے اس میں اس نے یہ بات خوب اچھی طرح واضح کی ہے کہ ارتقائے نسل اور موت کا بہت گہرا تعلق ہے اور ہونا بھی چاہیے دونوں کو ہی موت کے بلانے والے عمل کہہ سکتے ہیں پیٹرک گڈس صاحب اس مضمون پر لکھتے ہیں:

"موت اور ولدیت کا بڑا گہرا تعلق ہے لیکن عام طور پر اس کو دوسرے طریقہ سے بیان کیا جاتا ہے لوگ کہتے ہیں جیووں کو مر جانا ہے اس لیے انہیں بچے پیدا کرنے ہی ہوں گے نہیں تو نسل ختم ہو جائے گی لیکن پچھلی باتوں پر زور دینا تو بعد کی تحقیقات ہے سچی بات تو یہ ہے کہ بچے اس لیے پیدا نہیں کیے جاتے بلکہ جیو اس لیے مرتے ہیں کہ وہ بچے پیدا کرتے ہیں۔"

گوئٹے صاحب نے مختصر طور پر کہا ہے کہ

”موت ضرور آئے گی اس لیے بچے پیدا کرنا ضروری نہیں بلکہ اولاد پیدا کرنے کا ضروری اور لازمی نتیجہ موت ہے۔“

کتنی ہی تمثیلات دینے کے بعد گڈس صاحب ان پر معنی الفاظ کے ساتھ اپنا مضمون ختم کرتے ہیں اعلیٰ درجے کے جانداروں میں ارتقائے نسل کے لیے پھر بھی انسانوں میں شہوت پرستی کے نتیجہ کے طور پر موت آسکتی ہے تو یہ سبھی جانتے ہیں کہ شہوت پرستی سے بھی جسم کچھ دنوں کے لیے خالی ہو جاتے ہیں اور جسمانی طاقتوں کے گھٹنے پر سب قسم کے امراض کا حملہ کرنا زیادہ ممکن ہوسکتا ہے۔

مختصر طور پر اس مضمون کا نچوڑ دے کر اسے اس طرح ختم کیا جاسکتا ہے کہ انسانوں میں شہوت پرستی سے انسان کی موت ضرور ہی جلدی آتی ہے اور بچے پیدا کرنے سے اور ان کی پرورش کرنے سے عورتوں کی موت بھی جلدی آتی ہے۔

عیاشی جو اثر جسم پر ڈالتی ہے اس پر پورا باب کا باب لکھا جاسکتا ہے مکمل مجرد ین کی پابندی کرنے والے کے لیے قوت پوری عمر زندہ دلی اور زندگی اور امراض سے محفوظ رہنا تو قدرتی بات ہے۔ اس کا ایک ثبوت تو یہ ہے کہ کمزور انسانوں کے بہت سے امراض مصنوعی طریقہ سے انجکشن کے ذریعے منی کو خون میں داخل کرنے سے دور ہو جاتے ہیں۔

مضمون کے اس حصہ میں بیان کردہ باتوں کو ماننے میں کئی ناظرین کو شاید ہچکچاہٹ ہوسکتی ہے اس پر کئی آدمی دکھانے لگیں گے کہ ”یہ بڑے بوڑھے لوگ جن

کے کئی ایک لڑکے ہوئے اب بھی تندرست اور طاقتور ہیں اور پھر یہ دیکھئے کہ غیر شادی شدہ سے شادی شدہ زیادہ دن تک جیتے ہیں لیکن اس کے سامنے ان دلائل کی کوئی پہنچ نہیں ہے کیونکہ سائنس کی نظر میں موت صرف زندگی کے ساتھ ساتھ لگاتار ہر لمحہ چلتا رہتا ہے۔ جسم کی پرورش کرنے والی طاقت اور جسم کو مٹانے والی طاقت دونوں ہی زندگی موت کی اکٹھی رہنے والی دوست ہیں۔ بچپن اور جوانی میں پہلی طاقت بھی جسم کو پرورش کرنے والی طاقت بڑھتی رہتی ہے۔ درمیانی عمر میں دونوں کام ساتھ ساتھ برابری سے چلتے رہتے ہیں اور زندگی کے پچھلے حصہ یعنی بڑھاپے میں دن بدن موت کا عمل ہی بڑھتا جاتا ہے اور آخر کار سانس کو ختم کر کے موت جیت جاتی ہے اب جو کام بھی موت کی اس فتح کے وقت کو تھوڑا تھوڑا کر کے نزدیک لائے ایک لمحہ ایک دن ایک سال یا کئی سال موت کے عمل کا ہی ایک حصہ گنے جائیں گے اور شہوت پرستی ایسا ہی عمل ہے خاص کر جبکہ وہ بہت زیادہ کیا جائے۔''

میں صرف اسی بات پر زور دیتا ہوں کہ موت کوئی خاص واقع نہیں ہے بلکہ ایک ہمیشہ جاری رہنے والے عمل کی تبدیل شدہ صورت اور اس کا آخری نتیجہ ہے جن کو اس میں اب بھی شک ہو وہ مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کریں۔

ارتقائے نسل اور اندرونی ترقی کی مخالف طاقتیں دماغ اور جسم کو قائم رکھتی ہیں۔ اس کا پتہ جسم کے اعلیٰ اعضاء جیسے خاص کر دماغ کے کاموں پر غور کرنے سے چلتا ہے۔ دونوں قسم کی اعصابی طاقتیں یعنی عقل کی اور حکم ماننے کی دوسرے سبھی اعضاء کی طرح زندگی کی بنیادی جگہ سے لیے گئے۔ کسی وقت کی بنیادی سیل سے بنے ہیں

سارے جسم میں ان کی بے روک ٹوک لہر بہتی رہتی ہے۔ اور زیادہ تر دماغ میں تو بہت ہی زیادہ مقدار میں بہتی ہے اس لیے ارتقائے نسل کے لیے یا لطف کے لیے ہی ان سیل کی اس ترقی کو روکنے سے ان اعضاء کی زندگی کا خزانہ ختم ہونے لگتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ ان کا نقصان ہی ہوتا ہے۔ ان جسمانی حقیقتوں کی بنا پر ہی ذاتی طور پر مباشرت کے قواعد بنتے ہیں اور اگر مکمل کنوار پن نہیں تو کم سے کم ضبط کی صلاح دیجاتی ہے۔

اس کے متعلق ایک مثال لیں ہندو مذہب اور اس کی مجلسی زندگی سے جو لوگ کچھ بھی واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہندو لوگ پہلے عبادت کیا کرتے تھے اور اب بھی کچھ لوگ کرتے ہیں اس کے دو مقصد ہوتے ہیں ایک تو جسم کو نبھانا اور قوتوں کو بڑھانا دوسرے کچھ غیر معمولی روحانی طاقتیں حاصل کرنا ہے۔ پہلے کا نام ہتھ یوگ ہے اس کی مشق صرف جسمانی ترقی کے لیے کی جاتی ہے۔

دوسرے کو راج یوگ کہتے ہیں اس کی مشق روحانی اور یوگ سے تعلق رکھنے والی ترقیوں کے لیے کی جاتی ہے تو بھی دونوں یوگیوں میں ایک بات برابر ہے اور اس کا تعلق ہے جسم کے ساتھ یہ بات پاتنجلی کے لوگ شاستر میں دی ہوئی ہے۔

پانچ کیلشوں میں ''راگ'' تیسرا کلیش ہے (3-2) ''راگ'' کہتے ہیں سکھ حاصل کے بعد جو خواہش سکھ حاصل والے میں چھا جاتی ہے اور پھر سے وہ سکھ نہ ملنے پر جو دکھ ہوتا ہے اس خواہش کو ''راگ'' کہتے ہیں۔

اور سکھ میں دکھ ملا ہوا ہے اس لیے عالم آدمی کو اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔

یہاں تک تو یوگ درشن میں جذبہ شہوت پر روحانی نقطہ نظر سے غور کیا گیا ہے۔

اسکے بعد جسمانی نقطہ نظر سے آگے کے شعروں میں غور کیا گیا ہے۔

یوگ ابھیاس کی پہلی سیڑھی یموں کی مشق ہے اور یم پانچ ہیں۔

یہ دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ اپنے کو راہب بتانے والے لوگ چوتھے یم کو یا تو جانتے ہی نہیں یا اسے بتلاتے ہی نہیں۔ چوتھا یم کنوارپن ہے۔

پانجلی منی کی رائے میں بھی کنوارپن کی پابندی سے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

یعنی جو کنوارپن میں خوبی ہے اس سے منی یعنی طاقت حاصل ہوتی ہے اس سے مختلف قسم کی طاقتیں حاصل ہوتی ہیں۔

شری یت منی لال دوویدی کہتے ہیں یہ تو جسمانی سائنس کا معمولی اصول ہے کہ عقل کے ساتھ منی کا بڑا گہرا تعلق ہے اور ہم کہیں گے کہ روحانیت کے ساتھ بھی ہے۔ اس بیش بہاء چیز کو اکٹھا کرنے سے انسان کو طاقت ملتی ہے وہ اصلی روحانی طاقت ملتی ہے جس کی انسان خواہش کرتا ہے۔ پہلے اس اصول کی پابندی کیے بغیر بلا شک کوئی راہب کامیاب نہیں ہو سکتا۔

یہ بھی کہہ دینا چاہیے کہ کنوارپن کی پابندی کے طریقے اور مقاصد علوم میں چھپے ہوئے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ سانپ کی طرح طاقت سب سے نچلے چکر یعنی فوطوں سے چڑھ کر سب سے اونچے چکر یعنی دماغ میں جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اکیسواں باب

شخصی اصول مباشرت

عام لوگوں سماجوں اور قوموں کے تجربوں کی بنا پر ہی سیاسی علوم لکھے جاتے ہیں۔تواریخی نقطہ نظر سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی بڑے عالم اور عقلمند آدمی نے سیاست کے اصول بنائے ہیں۔موسیٰ بدھ کنفیوشیس،سقراط،ارسطو،عیسیٰ اور ان کے بعد کی دوسری برگزیدہ ہستیوں اور فلاسفروں نے اپنے اپنے **ملک** اور اپنے اپنے وقت میں انسان کی اخلاق کی کوئی نہ کوئی کسوٹی ضرور رکھی تھی۔

اس سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ سب کے لیے قابل قبول سیاسی علوم کی بنیاد،فلسفہ،علم روح،جسمانی سائنس اور سماجیات کے اوپر ہے۔یہ سب علوم مل کر اصلی یا خیال مصالحہ دے دیتے ہیں جس کے اوپر سے کئی اصول اپنے آپ ثابت شدہ نکل پڑتے ہیں انہیں اصولوں کے مجموعہ کا نام سیاسی علوم ہے۔

اسی لیے زمانے یا تہذیب کے تناسل سے تعلق رکھنے والے اصول اس بات کے سہارے پر بنیں گے جس کا اس وقت کے لوگوں پر ان کے اپنے تجربوں میں زیادہ سے زیادہ اثر پڑا ہوگا۔اگر چہ سماجی تناسلی اصولی کے مطابق یہ شخصی اصول بھی وقت وقت پر بدلتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی ان دونوں میں ہی کچھ ایسی مستقل باتیں ہیں جو کہ تھوڑی یا بہت ہمیشہ قائم رہتی ہیں۔

اس زمانہ کے لیے تناسلی اصول قائم کرتے وقت ہمیں آج تک کی معلوم سبھی باتوں اور حالات کا دھیان رکھنا اور خاص کر ویسی چیزوں پر دھیان دینا ہوگا جن کی تائید عام لوگ کرتے ہیں اگر میں یہ کہوں کہ میرے مضمون کے پہلے پانچ حصوں میں دکھائی گئی اصلیتوں پر دھیان دیتے ہیں کسی بھی عقلمند اور ایماندار آدمی کے دل میں کئی دلائل سے ثابت شدہ اور لازمی نتیجے ضرور نکلیں گے تو جسمانی، دماغی اور روحانی تندرستی کو دھیان میں رکھنے سے معلوم ہوگا کہ ان اصلیتوں کا ایک ہی نتیجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کنوارپن کی پابندی لیکن اس کے خلاف ہمیں ایک دوسرا قدرتی اصول بھی جلدی ہی مل جاتا ہے پہلا اصول ہے قدرتی جذبہ شہوت کا اور دوسرا ایک نیا اصول ہے علم، سائنس، اعتقاد اور مقصد کے ذریعے نکلا ہوا۔ وہ کنوارپن کا پہلے اصول یعنی جذبہ شہوت کو عملی صورت دینے سے بڑھاپا اور موت بہت جلدی آتی ہے۔ لیکن دوسرے اصول پر چلنے کے راستہ میں اتنی بڑی بڑی مشکلات پڑی ہوئی ہیں کہ شاید ہی کوئی اس کی طرف دھیان دیتا ہو۔ لوگ اس بات پر یقین کرنے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔ وہ فوراً ہی کہنے لگتے ہیں۔۔۔۔۔ لیکن؟۔۔۔۔۔ مگر؟ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ یوگیوں اور سادھوں کے لیے جو مشکل اصول بنائے گئے تھے ان کی بنیاد اندھا اعتقاد اور پرانوں کے اشعار ہی نہیں ہیں بلکہ اس مضمون میں بتائی گئی علم الاجسام کی باتوں کی مکمل واقفیت ہے۔

میرے خیال میں کاؤنٹ ٹالسٹائی سے زیادہ زوروں کے ساتھ یا صاف بیانی سے کسی اور زمانہ حال کے مصنف نے تناسلی تعلقات کے اصول کو بیان نہیں کیا۔

میں ان کے کچھ خیالات نیچے دیتا ہوں۔

102 اپنی نسل کو قائم رکھنے کی قدرتی خواہش۔۔۔۔۔۔ یعنی جذبہ شہوت انسان میں قدرتی طور پر ہی موجود رہتا ہے اپنی حیوانیت کی حالت میں وہ اس خواہش کو پورا کر کے اپنا فرض پورا کرتا ہے اور اس سے بھلائی ہوتی ہے۔

103 لیکن جب سمجھ آجاتی ہے تو وہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس خواہش کو پورا کرنے سے صرف اس کی اپنی بھلائی ہوگی۔ مگر وہ اپنی قوم کو قائم رکھنے کے خیال سے نہیں بلکہ صرف اپنی بھلائی کرنے کے خیال سے اس خواہش کو پورا کرنے لگتا ہے یہی نفسانیت سے تعلق رکھنے والا پاپ ہے۔

(نوٹ): ناظرین کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ٹالسٹائی کی گناہ کی تعریف عام تعریف سے الگ ہے وہ گناہ اس کو کہتا تھا جو محبت ظاہر کرنے میں یعنی سب کے لیے بھلائی چاہنے کی خواہش کے راستہ میں رکاوٹ ڈالے۔

107 پہلی حالت میں جبکہ کوئی کنوار پن کی پابندی کرنا اور اپنی ساری طاقتوں کو پرماتما کی خدمت میں لاگانا چاہتا ہو اس وقت اس کے لیے اولاد پیدا کرنے کے خیال سے بھی مباشرت کرنا گناہ ہے۔ جس نے اپنے لیے کنوار پن کا راستہ چن لیا ہے اس کے لیے شادی بھی قدرتی طور پر گناہ ہے۔

113 جس نے کنوار پن کا راستہ اپنے لیے تجویز کیا ہے اس کے لیے شادی کرنے میں یہ گنا ہے کہ اگر وہ شادی نہ کرتا تو ممکن ہے کہ وہ سب سے بڑے کام کو اختیار کرتا خدا ہی کی خدمتیں اپنی ساری طاقتیں لگا دیتا لیکن شادی کرنے

ہے۔۔۔۔۔وہ نیچے اتر آتا ہے اور اپنے مقصد کو حاصل نہیں کر سکتا۔

114 جس نے ارتقائے نسل یعنی اولاد پیدا کرنے کا راستہ اختیار کیا ہے اس کے لیے یہ پاپ ہے کہ اولاد پیدا نہ کرکے یا کم سے کم باہمی خانگی تعلقات پیدا نہ کر کے وہ گرہست جیون کے سب سے بڑھ سکھ سے اپنے آپ کو محروم رکھتا ہے۔

115 اس کے علاوہ اور سبھی سکھوں کی طرح جو لوگ شہوت پرستی کے لطف کو بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں وہ جتنا زیادہ جذبہ شہوت کو بڑھاتے ہیں اتنا ہی زیادہ لطف کو کم کرتے ہیں۔

ناظرین دیکھیں گے کہ ٹالسٹائی کا اصول درست ہے کیونکہ کسی طرف سے خدا کی طرف سے یا کسی بڑے عالم کی طرف سے پکا اصول نہیں بنا دیا گیا ہے بلکہ سبھی کو اپنا اپنا راستہ منتخب کرنا پڑتا ہے صرف اتنا ہی نہیں کہ جس نے اپنے لیے جو راستہ اختیار کیا ہے اسے اسی پر چلنا چاہیے۔

اس مذہبی اصول کے مطابق ایک کے بعد ایک اترتے ہوئے ادنیٰ درجہ کے کام ہوں گے جو مکمل کنوارپن میں اعتقاد رکھتا ہے وہ کسی اعلیٰ جسمانی یا روحانی مقصد کے لیے جان بوجھ کر تمام حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے اس کے لیے کسی قسم کی مباشرت بھی گناہ ہے۔ جس نے شادی کر لی ہے اس کے لیے غیر مرد یا غیر عورت کی محبت گناہ ہے اس سے آگے بڑھ کر اگر غیر شادی شدگان کے لیے جن کا جذبہ شہوت کے متعلق کوئی اصول نہیں لونڈے بازی جیسا قابل نفرت پیشہ گناہ ہے تو قدرت کے اصول کے مطابق چلنے والے کے لیے خلاف قدرت کام کرنا بہت ہی برا ہے۔ اس

سے بھی آگے چل کر اگر کسی قسم کے کنوار پن کی پابندی کرنے والے کے لیے اس میں حد سے زیادہ بڑھنا برا سمجھا جائے گا تو نوجوانوں اور بچوں کے لیے کنوار پن کی پابندی نہ کرنے کا خیال تو چھوڑنا ہی پڑے گا۔

میں اس خیال بھی نہیں کر سکتا کوئی ایسا آدمی بھی ہوگا جو اس معمولی جماع کے اصول کو سمجھ نہ سکے اور ایسے اصول کی مخالفت کچھ لوگ دلیل بازی سے اور فضول لفظی بحث میں پڑ کر کرتے رہتے ہیں بہت سے لوگ مان لیتے ہیں کہ چونکہ کنوار پن کی پابندی کرنا مشکل امر ہے اور شاذ و نادر ہی کوئی مکمل کنوارہ کبھی دیکھنے میں آتا ہے اس لیے کنوار پن کی حمایت کرنی ہی فضول ہے۔

ایسی دلیل پیش کرنے والوں کو دلیل کے مطابق تو اپنے خاوند یا اپنی بیوی پر صابر رہنا چاہیے مگر یہی کچھ لوگوں کے لیے مشکل کام ہوتا ہے یا گھر میں رہتے ہوئے خواہشات نفسانی کو پورا کرنے میں حد سے نہ بڑھ جانا یا صرف قدرت کے اصول کے مطابق ہی کام کرنے کی بھی مخالفت کرنی چاہیے وہ اگر ایک مقصد کی مخالفت کرتے ہیں تو وہ سبھی مقاصد کی مخالفت کریں گے اور ہم کو بڑے سے بڑے گناہوں اور شہوت پرستی کے غار میں دھکیل کر دم لیں گے بھلا وہ ایسا کیوں نہ کریں گے؟ سچ پوچھو تو صرف ایک سچا اور مذہبی اصول یہ ہے کہ ہم اپنے مقصد کے قطبی تارے کو دیکھتے ہوئے چلیں جو کہ ہمیں سبھی بھول بھلیاں سے نکال کر مخالف طاقتوں کا مقابلہ کر کے سیدھے راستہ پر لے جائے گا اس طرح سمجھ بوجھ کر اپنی مرضی سے اس اصول کے مطابق چلنے والے سے یہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ جوانی کے غیر قدرتی

کاموں سے اوپر اٹھ کر وہ قدرتی اصولوں کے مطابق چاہے وہ بے اصولے ہوں چلنے لگیں گے اس حالت میں سے نکل کر بھی وہ گھریلو زندگی کے قواعد میں بندھ سکتا ہے اور اپنے اور اپنی بیوی کے فائدہ کے لیے جہاں تک وہ کر سکے ضبط اور پرہیز گاری کی زندگی بسر کر سکتا ہے ان اصولوں کی پابندی ممکن ہے اسے مکمل کنوارہ بنا سکے اور نہیں تو ''زیادتی'' کے گڑھے میں گرنے سے تو ضرور ہی بچا لے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆

بائیسواں باب

مجلسی اصول مباشرت

جس طرح کہ اشخاص کے گروہ کا نام سماج ہے ٹھیک اسی طرح شخصی مباشرت کے اصولوں سے ہی مجلسی مباشرت کے اصول پیدا ہوتے ہیں دیگر الفاظ میں ہم اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ شخصی مباشرت کے اصولوں میں سماج کچھ ترقی کرتی ہے کچھ حد مقرر کرتی ہے اس کی سب سے بڑی مثال ''شادی'' ہے۔ عالموں نے اور سائنس دانوں نے شادی کی تواریخ بہت کچھ بیان کی ہے اور اس کے متعلق بہت زیادہ مصالحہ اکٹھا کیا گیا ہے اس لیے طریقہ شادی میں جو تبدیلیاں ضروری سمجھی جا رہی ہیں ان کا بیان مندرجہ بالا عالموں کی تحریروں کے صرف لب لباب کے ذریعے دیا جائے گا۔

انسانوں میں اندرونی ترقی کے متعلق والدہ کی اہمیت والد سے زیادہ ہے۔ والدہ کو ہی لے کر خاندان کی ترقی ہوتی ہے اسی لیے۔۔۔ایک وقت تھا جبکہ ماؤں کی ہی اس دائرہ میں حکومت چلتی تھی۔ اور اس لیے ہی ایک سے زیادہ خاوند ایک عورت کے لیے ہونے کا رواج بھی جاری ہو گیا تھا ایشیاء کی غیر مہذب قوموں میں اب بھی اس رواج کے نشانات پائے جاتے ہیں کئی خاوندوں میں جو سب سے زیادہ طاقت اور حفاظت کرنے کے قابل ہوتا تھا آہستہ آہستہ اس کی دوسروں سے زیادہ

عزت ہونے لگی۔ اور وقت آنے پر وہ جس عہدہ پر مامور ہوا اس کی بنا پر ہی ''خاوند'' لفظ نے حقیقی صورت اختیار کی عورت کے ساتھ جن کئی لوگوں کا تعلق ہوتا تھا ان میں جو سب سے زیادہ طاقتور، خوبصورت اور قابل ہوتا اسے دوسروں سے کچھ اچھا عہدہ دیا گیا۔ انگریزی میں خاوند یا گھر کے مالک کے لیے (ہسبنڈ) لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ہسبنڈ کا مصدر ہے (Husbaind) جس کے معنی ہیں ''گھر میں رہنے والا'' اس طرح ایک لفظ میں ہی شادی کی بہت کچھ تواریخ بھری ہوئی ہے۔ سبھی خاندانوں میں سے جو بیوی کے ساتھ گھر میں رہتا تھا وہ آہستہ آہستہ ''گھر کا مالک'' یا ہسبنڈ کہلانے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ گھر کا پورا مالک بن گیا۔ اور ایسا ہی کوئی (Husband) قوم کا سردار اور راجہ بنا آدمیوں کی حکومت چلتے ہی ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا رواج جاری ہو گیا جیسا کہ عورتوں کی حکومت میں ایک سے زیادہ خاوند رکھنے کا رواج تھا۔

اس وجہ سے اگر سماجی دائرہ میں نہیں تو اپنے ذاتی دائرہ میں تو قدرتی طور پر عورت اس سے زیادہ خاوند کے اور مرد ایک سے زیادہ بیوی کے رواج کو پسند کرنے والا ہوتا ہے۔ آدمی اپنی خواہشات کو چاروں طرف دوڑا کر نہایت خوبصورت عورت کو پسند کرتا ہے عورت بھی ایسا ہی کرتی ہے لیکن اگر مرد اور عورتوں کے بے قاعدہ قدرتی جذبہ شہوت کو لگام نہ لگائی جاتی تو کیا قدیم اور کیا موجودہ انسانی جماعت تباہ ضرور ہی ہو جاتی۔ انسانوں سے ادنیٰ درجے کے سب حیوانات ان سب خواہشات کی زیادتی ہے۔ سماج نے شادی کی شکل میں یہ حد باندھی اور آخر کار ایک مرد کے

لیے ایک ہی عورت کے ساتھ شادی کا اصول قائم کیا اس میں صرف ایک بات ہے اور وہ ہے عورت اور مرد کا باہمی بے قائدہ ملاپ ایسے بے قائدہ پن کے پرچار سے انسانی نسل اور کم سے کم موجودہ انسانی سماج تو ضرور تباہ ہو جائے گی اس شادی کے رواج میں اور بے قاعدہ پن میں ہم آسانی سے جنگ دیکھ سکتے ہیں رنڈی بازی سے بے قاعدہ اور خلاف قدرت ہم بستری زنا کاری اور طاقوں سے ہر روز یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ پرانے اور موجودہ تعلقات سے زیادہ مضبوط بنیاد ابھی تک ''رسم شادی'' نہیں جما سکی کیا کبھی وہ ایسا کر سکے گی۔

اسی دوران میں ہمیں ایک اور طریقہ پر غور کرنا ضروری ہے جو خفیہ طور پر تو مدت سے جاری ہے لیکن جس نے تھوڑے ہی دنوں سے بے حیائی پن اختیار کیا ہے۔ وہ ہے ارتقائے نسل کی روک تھام اس کا طریقہ ہے کہ ایسی ادویات اور آلے استعمال کیے جائیں جس سے حمل قرار نہ پا سکے۔ عورت کو حاملہ ہونے سے جو بوجھ اٹھانا پڑتا ہے اس کے علاوہ بھی آدمی کو اور خاص کر رحم دل آدمی کو کافی عرصہ تک ضبط اور پرہیز کاری کی کوئی وقعت ہی نہیں رہ جاتی اور جب تک خواہشات ہی کم نہ ہو جائیں یا آدمی کا اندر ہی ناکارہ نہ ہو جائے اس وقت تک جذبہ شہوت کو بجھاتے رہنا ہی ممکن ہو جاتا ہے اس کے علاوہ غیر عورت کے ساتھ تعلقات پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے بے قاعدہ، غیر قدرتی اور غیر محدود اور بلا خواہش اولاد کے بھی مباشرت کرنے کے لیے یہ دروازہ کھول دیتا ہے جو کہ موجودہ پیشوں، سماج کی حالت اور سیاسی نقطہ نگاہ سے نہایت خوفناک ثابت ہوگا۔ میں ان باتوں پر یہاں غور نہیں کر سکتا تا ہی کہنا کافی

ہے کہ مانع حمل کے لیے مصنوعی ذرائع کے استعمال کرنے سے اپنی بیوی اور غیر عورت دونوں کے ساتھ غیر محدود مباشرت کے لیے سہولتیں بہم پہنچ جاتی ہیں اور اگر میری جسمانی سائنس سے تعلق رکھنے والی دلائل درست نہیں تو اس سے شخصی طور پر بھی اور مجلسی طور پر بھی دونوں ہی نقطہ نظر سے برائی ہوگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

تتمہ

کھیت میں ڈالے ہوئے بیج کی طرح یہ مضمون بھی کچھ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں پڑے گا جو کہ اس سے نفرت کریں گے اور کچھ ایسے لوگوں کی نظر بھی اس پر پڑے گی۔ جو سستی اور اپنی نا قابلیت کی وجہ سے اس کو سمجھ نہ سکیں گے۔ جو لوگ اس میں بتائے خیالات کو پہلی دفعہ سنیں گے ان کے دل میں اس کے خلاف جذبات پیدا ہوں گے۔ ممکن ہے غصہ بھی آ جائے۔ بہت ہی کم لوگوں کو یہ مضمون سچا اور کار آمد معلوم دے گا اور ان کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوں گے سب سے بھولے بھالے لوگ کہہ اٹھیں گے۔

"آپ کی رائے کے مطابق تو کسی حالت میں بھی مباشرت نہیں کرنی چاہیے جناب! پھر تو دنیا کا ہی خاتمہ ہو جائے گا۔ اس لیے قدرتی طور پر آپ کے خیالات درست نہ ہونے چاہئیں" میرا جواب یہ ہے کہ میرے پاس کوئی ایسا خوفناک رسائن ہے۔ یہی نہیں کنوارپن کی پابندی کرنے سے جتنا جلدی دنیا کا خاتمہ ہوگا اس سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ مانع حمل کے مصنوعی ذرائع زمین کو انسانوں کے بوجھ سے ہلکا کر دیں گے۔ ارتقائے نسل کو روکنے کا سب سے زبردست طریقہ مانع حمل کے لیے مصنوعی طریقوں کا استعمال ہے۔ میری دلیل بڑی سیدھی سادی ہے۔ ناواقفیت اور بے اصولا پن کے جواب میں

کچھ فلسفیوں اور سائنس دانوں کو تجربہ شدہ سچائیوں کو پیش کر کے میں زمانہ حال کے لوگوں میں عورت اور مرد کے تعلقات کو پاکیزہ رکھنے میں مدد دینا چاہتا ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

The End------------------اختتام

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006